

پروفیسر اندرلباس شاہی آمد  
حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد  
بم تلمیذ پیر عیسیٰ شاہی آمد  
الف ثانی سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ

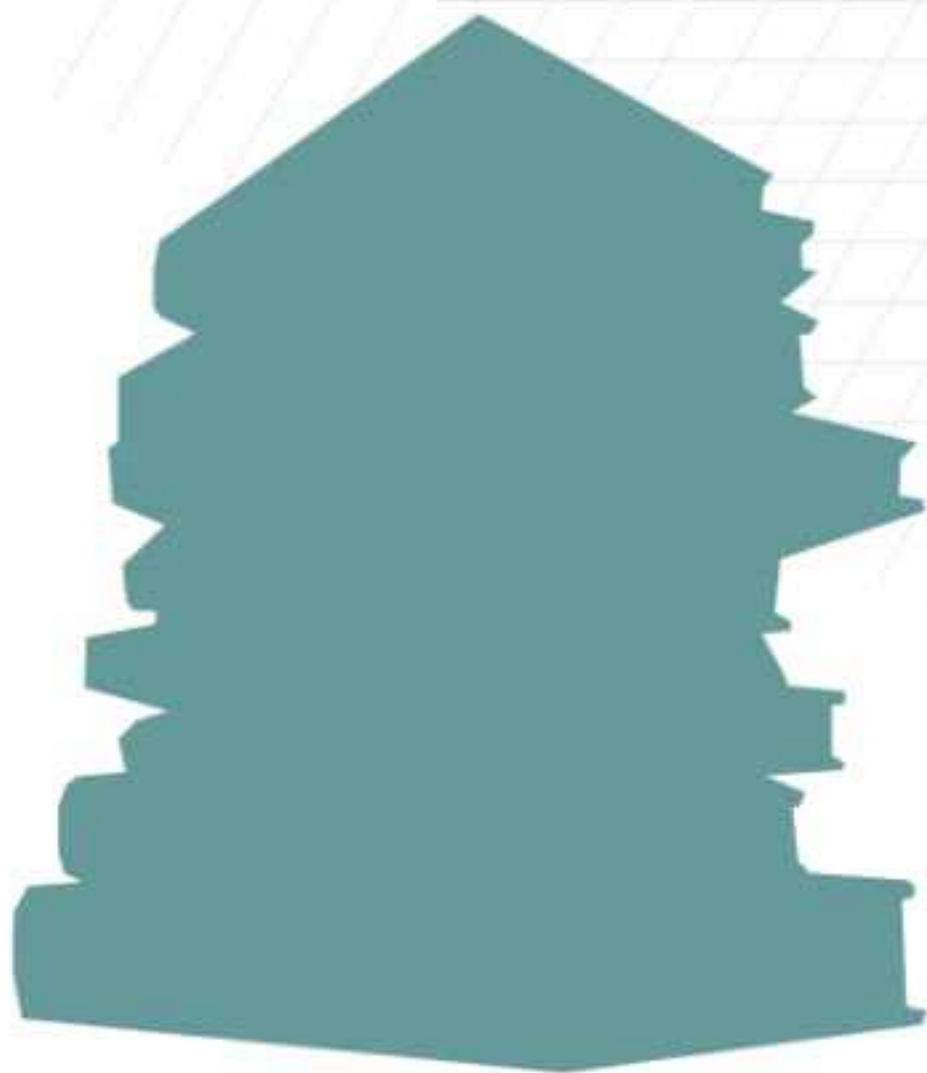
کے جدّ طریقت  
حضرت سلطان الاولیاء

خواجہ عید اللہ مراد عسکری

مکمل و مستوفی و مستوفی  
حفاظت و تحریک و ترویج

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

**پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ**





بہ تدبیر عبید اللہ بنی آمد

مؤلف انور عباس شاہی آمد

حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی،  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے جدّ طریق،

# حضرت سلطان الاولیاء خواجہ عبید اللہ

احرار نقشبندیؒ



مؤلفہ

حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کاکوروی  
تیکہ شریف کانپور کاکوروی ضلع لکھنؤ

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

128648

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

حضرت سلطان الاولیا خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی

کتاب کا نام

حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کا کوروی

مؤلف کا نام

مؤلف

ناشر

۱۳۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۶ء

سن طباعت

۴۰۰

تعداد اشاعت

۵۰ روپیے

قیمت

نشاط آفیسٹ پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یو پی)

طباعت

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کا کوروی ضلع لکھنؤ

# انتساب

سیدی وسندی مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حسید  
صاحب قلندر (سجادہ نشین تکیہ شریفہ کاظمیہ کاکوری) و ابی و شیخی معاشی و  
معادی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر صاحب قلندر ادام اللہ تلالہما کی  
خدمت میں جن کے فیضانِ علم و تربیت کے طفیل میں یہ چند سطور لکھنے کے  
قابل ہوا ہے

یا رب این سایہ الہی را  
بر سریر بقا ممکن دار

آفتاب سپہ شاہی را  
بر سپہر خلود روشن دار



۵	۱۔	تعارف آغاز	- - - - -
۱۲	۲۔	تمہید	- - - - -
۳۵	۳۔	احرار؟	- - - - -
۴۱	۴۔	سوانحی حالات	- - - - -
۸۱	۵۔	حالات و واقعات (کرامات)	- - - - -
۱۱۳	۶۔	واقعہ وصال	- - - - -
۱۲۱	۷۔	اولاد بزرگوار	- - - - -
۱۲۳		(۱) خواجہ محمد عبد اللہ نقشبندیؒ	- - - - -
۱۲۳		(ب) خواجہ محمد یحییٰ نقشبندیؒ	- - - - -
۱۳۱	۸۔	اقوال	- - - - -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ”حَرْفِ اَعْتَابِ“

فر و زندہ مہر سپہر کمال	بہ نام خدا ایزد و ذوالجلال
مقر از تقیّد و از کیف و آئینے	ہمہ پاک و پاکیزہ از عیب و شین
فروع جہاں گوہر تابناک	بہ تنزیہ گوہر ز تشبیہ پاک
بہ مہر و وفا چیرہ بالائے قہر	بہ داد و دہش، پچو باران و بکد
گزیں بندہ خالق انس و جاں است	محمد کہ سلطان کون و مکاں است
عباں نور دانش ز نور نبی است	ظہور خدا از ظہور نبی است
نمی گشت اسرارہ ہستی عباں	اگر او نہ بودے نہ بودے جہاں
بہ مابندگاں شرع آموختہ	چراغ ہدایت برا فروختہ

درود خدا باد بر جان او

بر اولاد و اخفاد و ماران

میری خاص غرض اس سوانح حیات کے مرتب کرنے کی یہ ہے کہ اس دور مادیت میں جب کی دنیا سے وابستگی۔ زروسیم کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ دوڑ۔ دولت کے حصول کی ہوس کہ ذریعہ حصول جائز ہے یا ناجائز روزی اکل حلال ہے کہ ناجائز طور پر بٹوری جارہی ہے۔ ہر شر خیر بن چکا ہے اور صالح قدیر۔ ہمدردی دسوزی۔ دردمندی یافت حق کا ذوق۔ حب انسانیت اور مال ہستی کا خوف کہ اس دنیا کے بعد میں کوئی دوسری دنیا ہے جس میں ہمیں اپنی بد اعمالیوں کا حساب دنیائے ذہن انسانی نے یکسر محو کر دیا ہے۔ اعمال نیک کی کثافت نے روح انسانی کو اس بری طرح مجروح کر دیا ہے کہ انسان اپنی رفعتوں کو



چھوڑ کر پستی اور پست ہمتی کا شکار ہو گیا ہے۔ تمام عالم ایک میدانِ حشر ہے جہاں ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے۔ اور اسکی خود مطلبی اور ذاتی مفاد پسندی اس کا موقعہ نہیں دیتی کہ دوسروں کے دکھ۔ درد اور غم میں شریک ہو۔ ہر شخص اپنی صلیب خود اٹھائے خوچکاں ہاتھوں اور زخمی قدموں کے ساتھ رگبذریات کے کٹرے کوس طے کر رہا ہے۔ وہ اپنے غم میں تنہا ہے اور یہ احساسِ تنہائی اسکے لمحاتِ مستی کو تلخ سے تلخ تر بناتی جا رہی ہے۔ سفاکی ظلم اور جذبہ استحصالی دل پر ڈیرہ ڈالے ہیں۔ ہر طرف معصیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پھایا ہے۔ زندگی تلاطم اور طوفان کی زد پر الاماں والہفظ کے نعرے لگا رہی ہے۔ کہیں اقدار کی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آتی جس سے دل کی دنیا روشن ہو سکے۔ بڑی طاقتیں اقدار کی ہوس میں کمزور قوموں کو معاشی غلامی میں جکڑ کر ان کو یہ موقع ہی نہیں دے رہی ہیں کہ وہ بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے معاشرہ کو مضبوط اور توانا بنا سکیں۔

یہ روحانی بام عروج پر پہنچتی ہوئی ہستیاں ہم کو حوصلہ دیتی ہیں ہمارے کمزور اور کم ہمت دلوں میں جرات و ہمت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ ان کی زندگیاں اور اٹل اصول زبانِ حال سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر تم اعلیٰ صفات سے متصف ہونا چاہتے ہو تو ہم کو دیکھو۔ ہم نے مادیت کا جوا اتار پھینکا ہے ہم نے اپنے دلوں کو انسانیت کی محبت سے معمور کر دیا ہے اس لئے ہم سے سیکھو کہ نامساعد حالات کا مقابلہ کس جیوٹ اور بہادری سے کیا جاتا ہے۔ دنیوی جاہ و حلال سے بے نیاز ہو کر بھی کس طرح دلوں کو اپنے کردار کی باندی اور اپنے اوصاف کی خوبوں سے مستخر کیا جاسکتا ہے اور شیطانی قوتوں کو کس طرح شکست دی جاسکتی ہے۔ جب روح میں نکھار پیدا ہوتا ہے تو زندگی فلاح و صلاح کی راہ اختیار کر لیتی ہے اور معاشرہ کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ ایثار و اداہی۔ وسیع النظر اور وسیع القلبی سب جذبہ محبت کا مال اور نتیجہ ہیں۔ جب ہم اپنی ذات اور نفس کے تقاضوں کو یکسر مٹا اور فراموش کر کے عالم انسانیت کا درد اور دوسروں کے جگر کی چوٹ کو اپنے دل میں محسوس کریں۔ ان کے غموں کو اپنی ذات میں سمو کر ان کیلئے جراثیم بانیے گونا گوں کا دوا و امہا کر سکیں۔ اپنی بصیرت کے گل اچھاہر سے ان کی آنکھیں روشن کریں اور ایسے

نور سے معمور دل کی تجلیوں کی چھوٹ سے ان کے تاریک دلوں میں معرفت کی روشنی پیدا کریں۔

یہ اس امتِ مرحومہ کی جو کسی زمانہ میں خیر الامم کے خطاب سے نوازی گئی تھی بڑی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ زمانہ کے ہر دور اور ہر صدی میں اس میں ایک گروہ حق ہیں وحق آگاہ کا موجود رہا جس نے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کا سامان مہیا کیا اور وادی ضلالت میں گم گشتہ مسافروں کو راہِ مستقیم پر لگاتا رہا۔ ان کی کیمیا اثر نگاہ نے دلوں کی دنیا بدل دی۔ شیشہ ہستی میں وہ جلا کی کہ چمک اٹھا۔ انھیں مبارک ہستیوں میں ایک ذات حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار کی بھی تھی (جن کا مختصر تعارف مقدمہ میں پیش ہے) جنہوں نے اقلیم روحانی پر حکمرانی کی اور ایک قوی وقادر ذات سے وابستگی قائم کر کے قوت و ہمت کی وہ دولت بیدار حاصل کی جس نے ہزاروں کو نہ صرف راہِ معرفت دکھائی بلکہ امور مملکت میں بھی شاہانِ وقت کی رہنمائی کی۔ ان کو ظاہری جنگ و جدال سے بچا کر مظلوموں کو امن و ایمن کی پناہ گاہیں عطا کیں۔ میری محنت سوارت ہو جائے گی اگر اسکے قارئین تاریخ عالم کے تیرہ و تاریک دور سے عبرت حاصل کریں۔ اخلاق بلند کو اپنا پناہ عزت نفس خودداری۔ انسانیت دوستی رواداری کے ایسے اخلاق حمیدہ کو شعار بنا کر دنیا کے حاضرہ کی پُر اتم زندگی کیف و مسرت کی جنت سے ہم کنار کریں اور جب اس دنیا کے فانی سے کوچ کریں تو اس احساس طمانینت و مسرت کے ساتھ کہ ہم نے دنیا کو جیسا پایا تھا اس سے بہتر چھوڑا کہ حیاتِ انسانی کا حاصل یہ ہے کہ خود اپنی ذات کی تکمیل کرے اور دوسروں کو بھی لذتِ عرفان سے بہرہ ور کرے۔

موجودہ دور اگر مادیت کی پستی کی آخری منزل پر ہے لیکن رحمتِ تمام سے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پامردی۔ ہمت اور جراتِ اخلاقی سے اپنی ذلت گرامی کو مرتزین کیجئے۔ تائید ایزدی آپ کو ایک باعزت اور باوقار زندگی کی بشارت دیتی نظر آئے گی۔ جینے کے لئے مرنے کا سلیقہ چاہیے اور زندگی ایسی بنائیے جیسا ایک مجاہد آزادی نے کہا ہے ہے

وہ مرد نہیں جو ڈر جاتے ماحول کے فونیا منظر سے

جس حال میں جینا مشکل ہے اس حال میں جینا لازم ہے

یہ بات میں نے اپنی تالیف ”مذکرہ گلشنِ کرم“ میں بھی اشارہ کہی تھی اور اس موقع پر ذرا وضاحت سے عرض کروں گا کہ موجودہ دور قہر تاتار کی تاراجی سے بھی کہیں زیادہ تاتاری تو آگ لگائے۔ شہروں اور قریوں کو تاخت و تاراج کرتے یا سلطنتوں کو برباد کرتے گذر گئے لیکن آج کی سفاکی کا تو نقطہ تنزلی اپنے آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے۔ آج کا انسان یا تو بہیمیت کی چلتی پھرتی تصویر بن گیا ہے یا پھر وہ ہمہ وقت آنے والی خلائی جنگ کے تصور سے لرزاں و ترساں ایک خوف کے عالم میں زندگی بسر کر رہا ہے اسکے اعصاب مستقبل کے خوف سے بکھر چکے ہیں اس کا ذہن ماؤف ہو چکا ہے۔ اور وہ بہ زبان حال تجسس کن نگاہوں سے انسان۔ نیک دل انسان۔ دردمندانساں دل سوز انسان کی تلاش میں ہے اور یہ کہہ رہا ہے

دی شیخ با چراغ یہی گشت گردِ شہر

کز دیو و دد ملوئم و انسائم آرزو سست

لہذا اب ہوشمند انسان کیلئے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس کثافت مادیت میں لطافتِ روحانی کے جوہر کو اپنائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ پرفتن اور محشر بداماں ادوارِ وقت کی تاریخ کا مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ اس دور کے مردانِ حق آگاہ حق شناس حق کیلئے اپنی زندگی سے کیا مثال قائم کرتے رہے کس طرح انھوں نے اپنی تزئینِ روح سے اور تنویرِ اخلاص و خلوص سے ایک بے حال دنیا کو ڈھارس۔ بہمت اور حوصلہ عطا کیا۔ بہتوں نے روحانی دولت کے ساتھ دنیوی جاہ و جلال کو بھی مصلحتاً اپنایا کہ وہ اپنی جاہ و ثروت سے معتبر اور پُر وقار بن کر انسانوں کی رہنمائی کر سکیں اور جس طرح علاج بالمثل ہوتا ہے وہ مادیت کی کاٹ مادی وسائل رکھ کر کریں اور دنیا کو دکھا دیں کہ دولت اگر بربادی اخلاق کا ذریعہ بن سکتی ہے تو اسی ماں دنیا سے ہزار ہا بندگانِ خدا کی امداد بھی کی جا سکتی ہے

اور دولت رکھ کر دولت کی آلائشوں سے دامن کشاں ہو کر صرف اس ذات کیلئے سب کچھ کریں جو ہیشتر وہ ہزار عالم کا خالق ہے اور جس کی مخلوق کی نفع رسانی اصل اسلام اور خدمتِ اسلام ہے۔

یہ گروہ عارفان ہمیشہ مظلوم ستم و جور سے خونچکاں انسانیت کیلئے پیکرِ رحمت و رافت بنے رہے اور ان کے رستے زخموں کیلئے مرہمِ شفا مہیا کرتے رہے۔ وہ ظالم و جابر بادشاہوں کو نڈر ہو کر مرد مومن کی بیباکی شان کے ساتھ ان کے مظالم سے روکتے رہے ان کو عاقبت کا خوف دلاتے رہے اور ان کی فوتِ روحانی کے سامنے یہ سلاطینِ باحشمت اور بادشاہانِ تخت و تاج سرِ نیاز خم کرتے رہے۔ ان کی ایک نگاہ نے قلوب کی دنیا بدل ڈالی۔

ان صوفیائے پاک طینت کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہر دور میں ایسے حضرات اپنی خانقاہوں میں مدارجِ روحانی طے کرتے ہوتے نظر آئیں گے جو مخلوقِ خدا کے دکھ۔ درد سے قافل نہیں رہے بلکہ وہ اپنے متوسلین۔ مسترشدین اور نیاز مندوں کے ذریعہ خراب و خستہ مخلوق کے دکھوں کو دور کرتے رہے ان کے مریدوں اور نیاز مندوں میں صاحبِ ثروت و اقدار حضرات بھی رہے جن کے رسوخ اور اثرات کو ان حضرات باصفائے خدمتِ خلق کا ذریعہ بنایا۔

زمانہ طالبِ علمی سے ہی مجھے سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے بزرگوں سے طبعی موانست و کشش محسوس ہوتی رہی۔ کتبِ تصوف کے درس کے دوران حسب دستور الطافِ القدس (مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) سبقاً سبقاً پڑھائی گئی۔ تعلیمِ اذکارِ سلاسل میں اذکار بلکہ تفکرِ نقشبندیہ میں خاص لذت و قلبی سکینت حاصل ہوتی تھی۔ جب میرے مرئی و مرشدانِ طریقت سیدی و سندی و مرشدی ذخیرہ یومی و غدی حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر و شیخی و قبلی و وظیفہ نوی و یقطتی والدی و استادی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر متع اللہ العالین بطولِ حیات ہم و بقائہم نے مجھ ایسے نااہل کو اپنے کرم و مرحمتِ خاص سے اجازت و خلافت سلاسلِ ثمانیہ کی سند سے سرفراز فرمایا ہے

می نہ جوید لطفِ عامِ اوسند آفتابے برحد شہامی زند  
کلاہ گوشہ احقر بہ آسماں برسید

اس میں سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت مختلف طرق سے ہے جسکو انہاج ثمانیہ کہتے ہیں ان میں ایک سلسلہ تو حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کا ہے جسکو سلسلہ احسنیہ کہتے ہیں دوسرا سلسلہ حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور حضرت خواجہ باقی باللہ بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی مختلف طرق ہیں عرض کہ اس سلسلہ علیہ کی بیشتر شاخیں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی ذات گرامی سے ہی منسلک ہیں۔ گویا آپ کی ذات مقدس ولایت و معرفت کا ایک ایسا بحر ناپید کنار ہے جس سے یہ ولایت و عرفان کے چشمے و نہریں جاری ہیں۔

مجھے حضرت خواجہ صاحب کے حالات کی عرصہ سے تلاش و جستجو رہی چنانچہ میں نے مختلف کتابوں، تاریخوں، مخطوطوں، مطبوعہ و غیر مطبوعہ ملفوظات کو پیش نظر رکھ کر آپ کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کیا اور واقعات حیات کا جائزہ لینے کے بعد آپ سے اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کی حیات مقدسہ پر ایک بسیط مضمون لکھ کر ماہنامہ ”برہان“ دہلی میں اشاعت کیلتے بھیجا۔ میرے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم نے مضمون کو نہ صرف پسند کیا بلکہ میری ہمت افزائی فرما کر اپنے موقر رسالہ میں سب سے پہلے جگہ دی اور تین اقساط میں شائع فرمایا۔ میں ان کی وسیع قلبی اور روشن خیالی سے بچہ متاثر ہوا کہ وہ دوسروں کی آراء سے جس نے وہ یک گونہ اختلاف بھی رکھتے تھے اپنے جریدہ میں اس کا موقع دیتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ مجھے اس سے بڑا حوصلہ ملا اور میں نے مختلف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ماخذات سے استفادہ کر کے ان کی سوانح حیات پر زیر نظر کتاب مرتب کی۔

مولانا نے محترم کی دلی آرزو یہ رہی اور انھوں نے متعدد بار زبان سے اس کا

اظہار بھی کیا کہ دو کتابیں ایک قول الجلی کا ترجمہ دوسرے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی سوانح حیات جو میں نے مرتب کی ہیں شایع ہو جائیں خصوصاً قول الجلی میں جو انقلاب

آفریں خیالات اور علمائے ظاہر کے مفروضہ نظریات کے جوابات میں جو اشکال اور مسائل تھے ان کو وہ برسیر عام لانے کے خواہشمند تھے۔ اور انھوں نے یہ تک فرمایا تھا کہ وہ ان کتابوں کو خصوصاً القول الجلی کے ترجمہ کو ندوۃ المصنفین سے خود شایع کریں گے۔ فسوی کہ ان کے غیر متوقع سانحہ ارتحال سے الٹا کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ آج اگر وہ حیات ہوتے تو یقیناً میری اس کاوشِ ذہن و قلم سے محظوظ و مسرور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عالم میں شاداں شاد رکھے اور درجاتِ علیا عطا فرماتے۔

بہر حال حیاتِ خواجہ علیہ اللہ احرار حاضری خدمت ہے۔ انشاء اللہ العزیز القول الجلی کا ترجمہ بھی جلد ہی منظر عام پر آکر نظر افروز ناظرین و اہل تحقیق ہوگا۔

آخر میں ناظرین سے یہ گزارش ہے کہ اگر ترجمہ یا عبارت میں کوئی سہو یا خامی ملاحظہ فرمائیں تو الا سنان مرکب من الخطا بر والنسیان کو مد نظر رکھتے ہوئے چشم پوشی فرمائیں اور دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں

احقر تقی انور غفرلہ  
تکلیف شریفہ کاظمیہ کاکوری  
۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ بروز یکشنبہ

## تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي هو الواحد لا احد في وحده نيتي، الفرد المتفرد بفردانيته، العزيز المتعزذ بالعزته والخبيرون، الفدير المتقدر بالقدره وهو حي لا يموت، الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، خاتم النبيين جيب رب العالمين وعلى آله واصحابه هداية طرق الحق واليقين، وسفن بحار الدين، وجعل الاولياء والعارفين، وارث مقامات الانبياء والمرسلين مرتبي المسترشدين، روح الله ارواحهم الطاهرة وعطر الله فرايجهم المباركة

حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے کہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ" (یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا جو انہیں آیتیں سنانا اور ان کو سنوارتا ہے۔) حضور اقدس امراض روحانی کے طبیب کامل اور مرض فطرت کے سب سے بڑے نباض تھے۔ اپنی امت اور اپنے صحابہ کرام کے ہر فرد کے مزاج فطرت اور اقتضائے طبیعت۔ ہر ایک کا عین ثابت معائنہ فرما کر اور انہیں ہر طرح سے جانچ و پرکھ کر ان کا علاج تجویز فرماتے تھے۔ چونکہ ہر فرد کا مزاج اس کی افتادِ طبع اس کی طبیعت و فطرت بیشتر دوسرے سے مختلف اللہ نے تخلیق فرمائی ہے۔ اسی لئے طریقہ علاج اور دوا بھی مختلف ہوتی ہے۔ گرم مزاجوں کیلئے گرم دوائیں نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں۔ اور سرد دوائیں یعنی مزاج والوں کیلئے سرد دوائیں مضر پڑتی ہیں۔ انگریزی مثل بھی ہے کہ ایک شخص کیلئے جو دوا تریاق ہوتی ہے وہی دوسرے کیلئے زہر بن جاتی ہے۔ حضور کی حیاتِ طیبہ و نیر اکابرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نے ان کی اصلاح نفس تزکیہ باطن اور تجلیہ روح کے مختلف طریقے ان کی فطرت اور طبیعت کے مطابق اختیار فرمائے۔ اگر کچھ صحابہ کرام کیلئے فقر و فاقہ و عسرت کی زندگی بسر کرنے میں ان کی فلاح و روحانی ترقی تجویز فرمائی۔ اور اس طریقہ کو ان کیلئے پسند فرمایا تو دوسری طرف بعض اکابر صحابہ کو دولت و ثروت کے حصول کی توفیق عطا فرما کر اس کیلئے ان کی ہمت افزائی فرمائی۔ اگر ایک طرف حضور نے الفقیر و فخری (فقیر میرے لئے فخر ہے) ارشاد فرما کر صحابہ کرام کے ثلوب کو حرص مال و حب جاہ دنیا سے بے نیاز کر دیا

تو دوسری طرف کا واقعہ فقر ان کیوں کفراً (مجھے خوف ہے کہ فقر کہیں کفر تک نہ پہنچا دے) ارشاد فرما کر ان کو متنبہ فرمایا کہ ناقابل برداشت عسرت اور تنگدستی بعض اوقات انسانوں کو اتنا زائد پریشان اور تنگ دل کر دیتی ہے کہ وہ مائل بہ کفر ہو جاتے ہیں اور اس پریشان حالی میں مضطرب ہو کر وہ اعتقادات کفریہ کی جانب مائل ہو کر ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں جو کفر کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس مؤخر الذکر حدیث کی علی توضیح و تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک دولت مند صحابی کو آپ نے دیکھا کہ صاحب حیثیت و ثروت ہوتے ہوئے بھی وہ معمولی حیثیت سے رہتے ہیں۔ ایک بار وہ حاضر تھے کہ حضور نے نہ صرف اظہارِ ناگواری فرمایا بلکہ ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس طرح رہو کہ اس کی نعمتوں کا اظہار لوگوں پر ہو۔ اور اس کے شکر گزار بندہ بنو۔ چنانچہ انھوں نے آپ کے فرمانے کے مطابق اپنا طرزِ ماہد و بورد تبدیل کیا۔ قیمتی لباس پہن کر حاضر ہوئے۔ حضور خوش ہوئے۔ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فاتحوں۔ پیوند لگے کپڑوں اور جھونپڑے نامکان میں مسرور شکرانہ زدگی گزارتے تھے۔ وہاں کبھی کبھی لباسِ فاخرہ و رنگین میں مجمعِ اصحاب میں منبر شریف پر جلوہ فگن ہوتے تھے اور اس عہد کے عرب کے مردِ بہترین اور لذیذ غذاؤں سے کام و دین کو محروم و نا آشنا نہ فرماتے تھے۔ واقعہ ایلا کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشانہ نبوت اگر چه مقام تھا لیکن دو منزلہ تھا۔ اپنے محبوب و مستجاب اللوات چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو شان و شوکت و ناز و نعم میں بسر کرنے میں مالی اعانت فرماتے تھے۔ جانشین رسول حضرت ابو بکر صدیق کی دولت و ثروت اور مالی خدمات کو حضور نے کیسا سراہا؟ اظہارِ شکر میں فرماتے ہیں کہ "مَا نَفَعَنِي مَالٌ اَحَدِكُمْ لَمَّا نَفَعَنِي مَالُ اَبِي كُبْرَةَ" (یعنی تم میں سے کسی ایک کے مال و دولت نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے) حضرت عمر فاروق کے حصولِ معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا جو ہجرت کے بعد بھی جاری رہا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی محمولہ ملک اراضی پر زراعت بھی کرتے تھے۔ بعد کو خلافت کے بارگراں اور اس کی عظیم النظیر مصروفیات و خدمات نے آپ کو بچہ مصروف و محتاط بنا دیا تھا۔ دورِ خلافت کا عہد گویا آپ کا اختیاری فقر تھا۔ حضرت عثمان غنی کی دولت و ثروت اور امیرانہ طرزِ معاشرت اور اس سے اسلام و مسلمانوں کی نفع اندوزی کی ہزار ہا داستانیں ہیں۔ مدینہ میں جس وقت مسلمان شیریں پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے تھے تو آپ نے ہی بیرومہ (جس کا مالک دشمن یہودی تھا) بیس ہزار میں خرید کر توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا یا حبش عسرہ (بے سرو سامان لشکر) آرامتہ کرنے کیلئے



آپ نے حضور کے قدموں میں اپنے مکسوبہ مال و دولت کے انبار لگا دیئے۔ اس وقت حضور کی مسرت و خوشی کا یہ عالم تھا کہ درہم و دینار کو دونوں ہاتھوں سے اچھالتے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے جاتے۔ حضرت علیؓ کو اللہ وجہہ کو حضور نے اپنا نفس (متمم الذات والصفات) فرمایا اس لئے ان کے حسب فطرت طہیت صرف لباس الفقرا خیزی عطا فرمایا۔ یعنی فقر و فنا و بیستی کی لذتوں میں ہمہ وقت مستغرق رہ کر انہوں کے ہاتھوں ناکامیوں میں بسر کرتے ہوئے مشاہدہ ذات میں مستغرق رہتے رہتے۔

غیر ناکامی دریں رہ کام نیست      راہ عشق است این رہ عاقبت

اسی لئے مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آپ کو امت محمدی کا سب سے پہلا مجذوب لکھا ہے۔ (یعنی جس کی جزیت کو ذات حق نے اپنی کلیت میں جذب کر لیا) گویا حضور نے ان کو اپنا نقش بنا دیا۔ دوسری طرف شاہزادگان رسول حضرت حسینؓ علیہما السلام کی مبارک زندگی پر نظر ڈالئے تو ان کی داد و دہش کے صد ہا قفسے سیرتاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کے جاہ و ثروت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایک وقت میں لاکھوں صرف ایک سائل کو دیدینا معمولی بات تھی۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع اور لذیذ کھانوں سے پُر ہوتا تھا۔ وہ ایسا خوان لیمّا تھا جس پر دوست و دشمن سب کے ہی کام و دہن بلا استثناء لذت یاب ہوتے تھے اور ہزار ہا فاقہ توہ لوگ شکم سیر ہوتے تھے۔ سرکارِ دو عالم کے بہت ہی محبوب و جواری حضرت زبیرؓ (چھوٹی زاد بھائی) کی زراعت و باغبانی (کھجور و انگور کے باغات) اتنے بڑے رقبہ میں تھی کہ ایک ایک وقت میں ہزار ہا مزدور کام کرتے تھے۔ نہایت فارغ البالی اور بڑی شان سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کی جاہ و ثروت کا حال عالی شان محلات اور مال و دولت کی اتنی فراوانی کہ دربار میں لاکھوں کروڑوں بصورتِ درہم و دینار تقسیم ہوئے اور سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے تھے جو کلہاڑی سے کاٹ کر تقسیم کئے گئے۔ میں نے صرف خاندان نبوت اور حضرات عشرہ مبشر رضوان اللہ علیہم کے حالات سے چند مثالیں دی ہیں۔

حضور سرورِ عالم نظام معیشت کی اصل روح سے واقف کر لئے گئے تھے۔ آپ اکمل ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپ نے طبقاتی جنگ کو پسند نہیں کیا۔ امراء و بزرگوار کو ایک دوسرے سے صاف آرا نہیں ہونے دیا۔ غریب و نادار اپنی غزبتد میں خوش تھا۔ محنت و مزدوری سے کسب حلال میں

معروف رہتا۔ اور دو متمندوں کی دولت کی طرف لپٹائی نظروں سے دیکھنا خودداری اور عزت نفس کے منافی سمجھتا تھا اسی طرح دو متمندوں کے قلوب سے دولت کی لالچ جرم و محبت اس طرح دور کی کہ ان کے دل میں اپنی توجہ اور تصرف باطنی سے یہ بات بٹھاری اور یہ حقیقت نقش کر دی کہ دولت و ثروت امانت الہی ہے۔ وہ اس کے امین ہیں۔ حسب احکام الہی اس کا بر محل صرف کرنا۔ حقوق العباد کا ملحوظ رکھنا۔ مخلوق خدا کے ساتھ معاملات میں سچا رہنا۔ ان کا اولین فرض منصبی ہے۔ حضور نے ان کے قلوب سے دنیا کی محبت و حرص کا زنگ دور کر دیا۔ ان کے آئینہ قلب پر ایسی صقل کر دی کہ اس میں رنج یا رکاوٹ کا عکس بھلک اٹھا۔ جب قلب نور الہی سے معمور ہو گیا تو دولت و ثروت ہی کی نظروں میں پہنچ پوجی ہو گئی۔ نصرت اسلام کے وہ ناصر بنے۔ اپنی دولت راہ خدا میں لٹائی اور اس سے اساس اسلام کو استحکام عطا فرمایا۔ صحابہ صفہ تنگ دستی اور فقر میں مست رہے۔ اور ساز و برگ ہستی سے ہمہ تن بے نیاز رہے۔ عاشق رسول حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک بار ہزار سے عرض کرتے رہے کہ کسی مقام کے حاکم بنا کر بھیج دیتے جائیں لیکن ناز بردار محبوب نے کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا "اے ابو ذر! تم کو ایک غلام کی ماتحتی اور سرداری میں اس کا محکوم بن کر رہنا مفید ہے۔ کبھی حاکم بننے کی کوشش نہ کرنا" چنانچہ جب آپ نے ربذہ میں قیام فرمایا تو کبھی ہشتی غلام نے جو وہاں کانگول تھا آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ کو ارشاد محبوب یا د آیا پنے اس ارشاد کی اتباع فرمائی۔ یہ اختلاف تعلیم بوجہ اس حکمت الہیہ کے ہے۔ "عسی ان تکرہوا یتاؤہو خیرکم و عسی ان تجوا شیئا و ہو شرکم" (جس چیز کو تم برا سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور جس چیز کو تم بہتر سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے بری ہو)

کلام پاک میں کہیں تو اس طرح تعلیم ہے "الذین ینفقون اموالہم باللیل والنهار سراً و لاینة فلہم اجر ہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" (جو لوگ اپنا مال سیرت و دن چوری چھپے اور کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کا اپنے رب کے پاس بڑا اجر ہے نہ ان کو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے)۔ دوسری جگہ اس انداز میں تعلیم فرما کر متنبہ فرماتا ہے "ان اللہ لایحب المسرفین" یا ان المبذرین کا ذوالخوان الشیاطین" یعنی اسراف کرنے والوں یا فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچ کرنے والے

شیطانوں کے بھائی ہیں) ایک جگہ خود حضور اکرم فرماتے ہیں کہ ”یأتیٰ علی الناس زمان لا ینفع فیہا الا دہم و دینار“ (یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دولت سیم و زر سے زائد کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی) یعنی عزت نفس۔ اخلاقی جرات انسان میں اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب وہ دوسروں کی مدد و استمداد سے بے نیا ہو بلکہ رشد و ارشاد کیلئے دوسرے عاجمند لوگوں کیلئے طعام و قیام کا سامان مہیا کر کے ان کو طلب حق یا یکسوئی سے مشغول رکھ سکے۔

قرآن نے متقیوں کے جو فضائل و خصائص بیان کئے ہیں اس میں ایک ماہر الامتیا از خصوصیت یہ بھی بتائی ہے ”وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا أَوْلًا لَمْ يَفْقَرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا“ (یعنی متقی وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اپنی حیثیت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ کم۔ نہ اپنا پیسہ فضول اڑاتے ہیں اور نہ کچھ سی کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک سب سے مہفوض چیز یہ ہے کہ امت رسول دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ گداگر بنے اور آبرو بگڑے۔ انسان کی عزت اسی وقت تک ہے جب تک اس کی مٹھی بند رہے۔ اور اس کا ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلے۔ جہاں پھیلا عزت ختم ہوئی مال کا تحفظ آبرو کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بہترین مال وہ ہے جس سے عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ روپیہ قرآنی الفاظ میں زینت حیات ہے۔ ”بے زر بے پیر ہے۔ جو شخص آئندہ تحفظ کیلئے محنت کر کے روپیہ پیدا کرتا ہے۔ وہ گویا اللہ کی راہ میں محنت کرتا ہے۔ عبد اللہ ابن عمر بن العاص اور عبسہ ابن ابی سفیان سے جاگیر کے متعلق کچھ جھگڑا ہوا۔ صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے حضرت خالد ابن العاص نے سمجھانا چاہا۔ حضرت عبد اللہ نے بے باکانہ فرمایا کہ خالد! کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔“

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ پیرے کے بہت بڑے تاجر اور دولت مند دولت مند تھے۔ انہوں نے حضرت امام محمدؒ کی صلاحیتوں کو پرکھ کر ان کی ساری کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور وہ ان کے مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اگر امام صاحب اتنے دولت مند نہ ہوتے تو کس طرح ہونہار شاگردوں کی صلاحیتوں کو بار

اور ہونے کا موقع دیتے۔ ایسی ہزار ہا مثالیں عہد رسالت۔ عہد خلفائے راشدین۔ عہد تابعین و تبع تابعین میں ملتی ہیں کہ جب دولت مند علماء۔ صلحاء۔ فقرا نے دولت کو برتا۔ اس سے خود فائدہ اٹھایا۔ اپنے وقار و معاشرت میں اپنی عزت کو برقرار رکھا اور دولت کو ذریعہ عمل خیر سمجھا نہ کہ صرف اپنے لئے آلہ لذت نفس و عیش و عیاشی بتایا۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی "بِجَالِ لَا تَلْهَيْكُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ مَعَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ" اور "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" (ان لوگوں کو نہیں غافل کرتی تجارت اور فروخت اللہ کے ذکر سے) اور ہم نے ان کو دیا جو اسے وہ خرچ کرتے ہیں۔ اسی بات کی شاہد ہے۔ حضرت مولانا نے روئے بھی اس کی تفسیر کی جو حضرات ایسے علیہم السلام تعلیم فرمائے ہیں۔

چست دنیا از خدا غافل بدن  
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن  
یعنی دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا ہے نہ کہ لباس فاخرہ۔ سیم وزر اور اہل و عیال کی طرف مشغول ہونا۔

حضرت امام احمد غزالیؒ کی دولت و ثروت اور جاہ و شہم کے معیار کو دیکھ کر مخالفین اور معترضین نے شدت سے ان کو بدھ و ملامت بنایا۔ اور آخر کو دل کی بات زبان پر لا کر اعتراض داغ ہی دیا کہ حضرت آپ اپنے کو درویش سمجھتے ہیں اور اس قدر اونٹ و گھوڑوں کے مالک ہیں۔ آپ نے یہ سکر فرمایا کہ "سرخ طویلہ در گل زوہ ام نہ در دل"۔ یعنی یہ تمام دنیاوی لوازمات میرے قلب کی یکسوئی کے مانع نہیں ہیں بلکہ معاون ہیں۔ میں نے طویلہ کی گھنٹی میں گاڑی ہیں نہ کہ اپنے دل میں۔"

صوفیائے کرام میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد رشد و ہدایت میں نہایت شان و جلال اور کرد و فر سے رہتے تھے۔ آپ کا لمبوس نہایت قیمتی کپڑے سے بنتا اور آپ نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا بھی نوش فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کے ٹھاٹھ باٹ و طرز رہائش پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا خطرہ دوڑ گیا کہ مردے کا کفن بھی قیمتی ہی ہونا چاہئے گویا جس نے اپنے نفس کو مردہ کر دیا اس کیلئے دیبا و حریر۔ "ٹاٹ و صوف یکساں ہیں حافظوں کے گریہ ہارت نبو و کعبہ و بت خانہ کے است خیر باشد نہ درانی خانہ کہ عصمت نہ بود

یہ حفظ عصمت اور صفائی قلب ہی اصل الامول ہے۔ جب قلب تمام ذمیوی آلودگیوں سے پاک ہو کر خلوت خانہ محبوب ہو گیا۔ تو اس نور و نورانیت کے مقام میں سیم وزر۔ نعل و جواہر کی جھک دکھ

شہ صحاح سنہ۔ مسند امام احمد ابن حنبل۔ طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔

بے حقیقت و بے نور ہو جاتی ہے۔ لیکن ظاہر ہیں حضرات جو باطن کی کیفیات اور صوفیوار کے حال و مقام سے بے خبر ہیں۔ بقول حضرت جگر سے

ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے  
رازِ شکستگی سمجھ۔ رنگِ شکستگی نہ دیکھ

ان عام کار موٹی عقلوں کے خاکی پتلوں کو کون سمجھا سکتا ہے یہ تو اس گروہ میں ہیں بقول حضرت سعدی سے

شور بختاں بہ آرزو خواہند : مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ

یعنی یہ بد بخت و بے نصیب تو ہر وقت بوجہ حسد اسی آرزو و تمنا میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مقبولانِ بارگاہ کی جاہ و نعمت کا زوال ہو۔ خواہ ان کو خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل ہو۔ اس کمینہ خصلت سے جس کا شمار بدترین صفاتِ ذمیرہ میں ہے۔ خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مَحْسُوْدًا وَّلَا تَجْعَلْنِيْ حَاسِدًا (یعنی اے اللہ مجھے محسود بنانا لیکن حاسد نہ بنانا) یہ دولت دنیا بھی ان حضرات کیلئے ایک نوع کا رنگِ شکستگی ہے۔ جب یہ تیرہ بخت ظاہر ہیں غیب جو نظروں سے ان کے عزت و وقار۔ جاہ و جلال۔ دولت و ثروت کو دیکھتے ہیں تو حسد سے جل اٹھتے ہیں اور مقدمہ ریم پٹنر و تعریف اور عاصدانہ مہم کے تیر و نشتر سے ان کے دلوں کو پھلنی کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہی ان کی شکستگی دل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنے صبر و تحمل سے بہر حال فائدہ میں رہتے ہیں۔ اَخَاعِبُكَ الْمُنْكَسِرَةُ قُلُوْبُهُمْ لَا جَبِيْ (حدیث قدسی) یعنی میں شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہوں۔

ماضی بید کے حضرات صوفیاء کرام کے علاوہ ماضی قریب و حال میں بھی اکثر صوفیائے کرام کا تمول زباں زد خاص و عام رہا ہے اور ان کے رموز باطنی سے ناواقفیت و جہالت کی بنا پر طنز و مزاح اور وہ طنز و تشنیع رہا ہے۔ ان کے خالقانہی اخراجات کے باعث ان کو ہمیشہ ہدفِ ملامت بنایا گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی کا لنگر دیگر صوفیاء کی طرح نہیں تھا کہ بندھی کی دال روٹی کا تبرک تقسیم ہو جائے۔ اور بس بلکہ آئینہ درویشی و فقی قیام کرنے والوں کو ان کی حسبِ خواہش و فرمائش کھانا ملا کرتا تھا۔ اور ان کا خودیہ عالم تھا کہ دوین تولے بنا دل فرما کر آبِ دیدہ ہو جاتے اور یہ خیال ان کو تڑپا دیتا تھا کہ معلوم اس وقت کتنے بندگانِ خدا دہلی میں بے آب و دانہ بیتاب و مضطرب ہوں گے۔ فیض و کرم کا بحر ناپید اکنالاکھوں حاجت مندوں کی حاجت و روانی کا سامان مہیا

کیا کرتا اور ان کو سیر و سیراب کیا کرتا۔

حضرت قطب الدین بنیاد قلندر جو پوری اور ان کے مابعد سلسلہ علیہ قلندریہ کے اولیاء اللہ بڑے پیمانے پر کاشتکاری کرتے تھے۔ اور اسی پیشہ کے ذریعہ طالبین کا کثرت و کار فرماتے تھے۔ مدہا طالبین شہر کی مساجد میں آپ حضرات کے مہمان ہو کر قیام کرتے اور سلوک طریقت طے کرتے۔ حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجاقلندر لاہر پوری (شاہجہاں اور داراشکوہ کے مقتدر علیہ) قادری الطریقت و قلندری المشرک بزرگ تھے۔ میرے علم میں سلسلہ علیہ قلندریہ میں باقاعدہ خانقاہی نظام کے آپ ہی بانی تھے۔ بہت بڑی جاگیر و جائداد کے مالک تھے۔ ایسا کہ ہر طالب صادق کو ان کے اہل و عیال کے کفالت کی ذمہ داری اور فکر سے آزاد و بے نیاز کر کے کیلئے کم از کم دو سو روپیہ سالانہ عطا فرماتے تھے تاکہ وہ فکر دنیا سے آزاد و بے نیاز ہو کر ان کی خدمت میں قیام کر کے مدارج سلوک طے کر سکیں۔

الغرض فیض عالم کے سامان کیا دولت کے رہیں منت نہیں۔ کیا جذبہ خدمتِ خلق اور فکرِ رفاہِ عام بروئے کار آسکتا تھا اگر اولیاء اللہ حسب التلذذ یہ جائز کسب و دولت نہ کرتے۔ ظاہری شاہانِ ٹھاٹ رکھتے ہوئے بھی وہ دل کو گنجینہ معرفت و خزینہ محبتِ حق بنائے تھے۔ ان کے دلِ حرصِ مال و حُبِ دنیا سے پاک اور ان کے قلوب ہمہ وقت جلوہ گاہِ حق بنے رہے۔ باوجود کسبِ معاش میں مشغول رہنے اور دولت مند ہونے کے ان کا رابطہ مع اللہ اسی طرح قائم رہا اور قلبِ جلوہ محبوب کی طرف منجذب رہا۔ جس طرح نوہا جس وقت بھی مقناطیس کے مقابل ہوتا ہے اس کی طرف کھینچ جاتا ہے۔

کیا یہ سب حصولِ دولت صرف اپنی آسودگی نفس کیلئے تھا؟ ہرگز نہیں۔ ان صوفیاء کی ذاتی زندگی سادگی کی ایک نمونہ تھی۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی گزارتے تھے۔ رسول اللہ کا حکم ہر وقت ان کے دل و دماغ میں رہا بسا تھا "کن فی الدنیا کأنک غریب ادعابو سبیل فلا ترمواخذکم اللہ و طاعتہ" (یعنی دنیا میں ایک مسافر دپر دسیا) یا راہ گیر کی طرح رہو اور اللہ کا ذکر اور اس کی اطاعت (لازم کرو) حصولِ دنیا کے پاؤں پر وہ صرف اس لئے بیٹے رہے کہ دکھے ہوئے اور زخمی دلوں کے لئے سامانِ مرہم فراہم کرتے رہیں۔

چاہتا ہے عشقِ رازِ حسنِ عریاں کیجئے  
یعنی خود کھو جائیے انکو تمایاں کیجئے

مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ”شیخ وقت اور کامل کیلئے با اقتدار  
و مہذب و تمدن ہونا ضروری ہے۔“ دوسری جگہ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ بزرگ (والد ماجد)  
نے یہ اشارہ و غیبی مجھے سمراہ لے کر یہ دعا مانگی کہ ”اللھم اعط مالاً و ولداً و شریح صدقہ الدنیا و الدنیا ما عند  
الموت و مغفرة بعد الموت و فردوساً فی الجنة۔“ (ادلیں دعا مال و دولت کی طلب ہے)

رازِ درون پر وہ زردانِ مست پر  
اسے مدعی نزار تو بار پر وہ وارِ پست

وہ پردہ دار جو اپنی خوبیوں۔ اپنے روحانی و باطنی مقامات کو برسرِ عام و عامی نظروں سے  
چھپائے ہوئے ہیں۔ جو نیک نامی و شہرت کی ہوس سے کوسوں دور حالتِ اخفا و کتمان میں اپنے  
حال و مقام کو صیغہ راز میں رکھنے کی کاوشوں میں مشغول ہیں۔ ظاہر میں نگاہیں کیا جانیں کیا سمجھیں کہ یہ  
اس دولتِ دنیا کے حصول اور دنیاوی کاروبار میں ظاہری انہماک کے کیا کیا باطنی اور روحانی مصالح  
ہیں۔ دل بیار و دست بہ کار رہنے کو خصوصاً حضراتِ نقشبندیہ خاص روحانی عمل قرار دیتے ہیں جس  
کیلئے سرِ حلقہ نقشبندیاں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے ”خلوت در انجمن“ کی خاص اصطلاح ایجاد فرما کر  
اپنے مسترشدین کو اس کی خاص تعلیم فرمائی۔ سطحی نظریں اور ظاہر پر ٹھہر جانے والی بصیرت سے عاری  
آنکھیں کیا جانیں کہ ان اولیاء اللہ کا کیا طریقہ سلوک اور کیا مسلک رہا ہے۔ اور اپنے پیروں کو باطنی  
دولت سے مالا مال کرنے کے کیا کیا طریقے اختیار فرمائے۔ صرف عبادتِ بدنی اور جسمانی مجاہدے  
اور ریاضتیں کافی نہیں بلکہ عبادتِ مالی اور دیگر بیشتر طریقے ہیں۔ جن کے ذریعہ مسترشدین کی اصلاح  
نفس و باطنی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ ہر شخص کے حسبِ حال و حسبِ مزاج و فطرت ہوتا ہے۔

آج یہ رفاہ عام کی جو جلوہ نمایاں ہیں عالما ہوں میں اوقاتِ مقررہ کا اہتمام لاکھوں روپیہ حاضرین  
و طالبینِ حق ہمانوں کے قیام و طعام پر خرچ کرنا اور طالبین کو جذب و سرستی و عرفان و اخلاق کی  
تعلیم دینا۔ یہ آج ہزار ہا دینی مدارس میں علوم و فنون کی ترویج اور یہ نئی نئی سائنسی ایجادات جن سے  
انسانی زندگی کو مادی سکون دیا جاسکے، کیا دولت کی بدولت نہیں؟ ہاں یہ سب موقوف ہے دولت  
کے صحیح و مناسب استعمال پر۔ ان صوفیاء کرام کیلئے اس کسبِ دولت کی علت غائی یہ تھی کہ عام

سے الصوائف الجلی

لوگ یہ جانتے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر دولت باعثِ صدمت ہے تو بے شمار نعمتوں کا ذریعہ بھی ہے۔ اور ان میں یہ بعیرت پیدا ہو جائے کہ وہ اس رمزِ کتسابِ دولت کو پالیں۔ اور ظاہر سے ترقی کر کے باطن کی حقیقت کو سمجھیں اور پائے نظر کو آزادی دیں۔ اور خود بینی اور خودی کی زنجیروں کو توڑ کر ان اولیاء اللہ کی کاوشوں اور کوششوں کا عرفان حاصل کر کے عارف اور حقیقت بین بن سکیں۔ یوں تو ہمیشہ سے صوفیائے کرام ہدفِ ملامت بنتے رہے۔ مگر فی زمانہ اس گروہ کے صوفیاء جن کو اسبابِ معیشت بیستہ تھے یا ہیں ان پر طعن و طنز عام شعرا اور فیشن ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم بلا استثناء طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں سے

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے روشن  
یہ طنز ان کی ذہنی و دماغی کاوش ہے جو مشرقِ فلسفی نطشے کے دل کو مومن اور دماغ کو کافر کہتے ہیں۔

### قلبِ اومومن و دماغِ کافر است

حالانکہ مومن کا قلب ہی عرشِ اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ ذہن و دماغ کو ہی اپنا رہبر بنائے رہے لہذا وہ کیوں عیب جوئی میں اپنے کو ادرروں سے پیچھے رکھتے جن کیلئے بجلی کی روشنی اور کلبہ ریاضت کی تاریکی ایک ہو۔ جسے جلوہ حق کا نور ہمہ وقت اندھیرے اجالے نظر آتا ہو۔ اس کی نگاہ میں ہزاروں واک بجلی کے بلب کی روشنی کی کیا حقیقت۔ یہ شمر مریدین کیلئے سامانِ عبرت فراہم کرتا ہے۔ مرید کا یہ خطرہ کہ وہ پیر کے ظاہری اسباب پر حسد کرے اس کی محرومی و خسرانِ الآخرة کا باعث ہوگا کیونکہ اس قسم کے خطرات اس کی ارادت کو سوخت کرتے ہیں۔ جب ارادت نہ رہی تو پھر سوا مناققت و تیرگی کے اس کے دل میں کیا باقی رہا۔

مے کہ بدنام کنڈاہل خرد را غلط است بلکہ مے می شود از صحبتِ نادان بدنام

اگر دولت کو امانت و ملکِ الہی سمجھ لیا جائے۔ اگر دولت کے حصول کا مقصد حکمرانوں و امرا پر غرور سے بے نیازی ہو اگر ذرائع و وسائل دنیاوی حاصل ہونے کے بعد جراتِ اخلاقی اور جذبہ معرفت و خدا شناسی تعلق مع اللہ زندہ و تابندہ و بیدار رہے۔ تو باعثِ برکت و سعادتِ اخروی ہے۔ اربابِ ظاہر پرست جو صوفیاء کرام کے حال و مقام سے بے خبر ہیں ان کو اس کا استحقاق نہیں کہ وہ ان حضرات



پر حرف گیری کریں۔ اور ہدف ملامت بنائیں۔

زاید ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست در حق ما آنچه گوید جائے ہیج اگر لہ نیست

میرا مقصد ہرگز موجودہ دور کے خود ساختہ و نام نہاد بلکہ نقال پیروں کی تائید اور ان کے افعال بد کی توجیہ نہیں ہے جو صوفیاء کے لباس میں اپنی نااہلی و عاقبت فروشی کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کی استخوان فردشی کر رہے ہیں جن کا نہ سلسلہ طریقت صحیح و متصل ہے اور نہ جن کو اجازت و خلافت و جانشینی کی اصلیت و اہمیت کا بوجہ جہالت و نفسانیت علم ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ صوفیاء کرام نے کیا اصول و قواعد اس کیلئے مقرر و مرتب فرمائے ہیں جو صرف دعا و تعویذ کا پیشہ اختیار کر کے اپنی چرب زبانی و پر فریب باتوں سے اور بھوت پرست۔ آسیب جادو۔ ٹونا کی جھوٹی کہانیاں سنانا کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا رہے ہیں۔ "لاتا کلو اموالکم بینکم بالباطل" (اپس میں ایک دوسرے کا مال دغا و فریب سے نہ کھاؤ) کی خدائی تہیہ و تہدید سے اپنے کو دیدہ و دانستہ اندھا بنائے ہیں۔ دعا، تعویذ و اعمال کو بعض متاخرین صوفیاء نے صرف رفاہ عام کیلئے اختیار کیا لیکن اس میں بھی ان کو سخت مجاہدات کرنے پڑتے ہیں۔ جلب منفعت و تجارت ہرگز مقصد نہ تھا۔ ان چیزوں کو تصوف یعنی علم طریقت و معرفت و درویشی سے دور رکھنا بھی واسطہ نہیں۔ افسوس و شرم سے اس بات کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر نام نہاد فقیر صوفی اپنے اسلاف کرام کے اصولوں کو پامال کر کے خود بھی مورد ظعن و طنز بن رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔

پیرا ہن رنگیں سے شعلہ سا نکلتا ہے غافل ہیں وہ کیا جانیں دامن کہیں جلتا ہے

مگر یہ کلیہ بھی ماننا پڑے گا کہ "تعرف الاشیاء باضدادھا" یعنی اشیاء کی شناخت انکی ضد سے ہوتی ہے) اگر نقل نہ ہو تو اصل کیسے پہچانا جائے۔ اگر گفرتا ہوتا تو اسلام کیسے پہچانا جاتا۔ اگر بدعا و برائیوں کا وجود نہ ہوتا تو اچھائیوں و نیکیوں کا لفظ بے معنی ہو جاتا۔

زیر نظر اور ان میری اسی نہید کا ایک عکس ہیں جو نقشبندیوں کے قافلہ سالار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے حالات پر مشتمل ہے وہ بیک وقت بوریائین فقیر بھی تھے اور صاحب اورنگ و سریر بھی۔

۱۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ بول کر فریب دیکر دوسرے کا لکھاتا ہے اس کی نماز روزہ کوئی بھی بھلا قبول نہیں ہوگی۔ وہ روزخ کے انگارے کھاتا ہے۔

128648

واضح رہے کہ یہ وہی ممتاز اور عظیم المرتبت شخصیت ہیں جن کے سلسلہ میں آپ کے معاصر حضرت مولانا۔ نور الدین عبدالرحمن جامی نے اپنی ہر تصنیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان کی بزرگ شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کو خوب سراہا ہے۔ ان کی عظمت و جلال کا ذکر بڑی مخدوم مداد کرو فرسے کیا ہے اور ان کو اپنا استاد اور مخدوم لکھا ہے۔ مثنوی تحفہ الاحرار میں تحریر کرتے ہیں یہ

زود بہ جہاں نوبتِ شاہنشہی      کو کہہ فقر عبید اللہی  
 آگہ زحریت فقر آگہ است      خوابہ احرار عبید اللہ است  
 گشتہ ملائک مگس خوان او      راتبہ خوار از شکرستان او

تاریخ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بادشاہوں اور امراء کے حالات کو مکمل تاریخ کہنا اگرچہ اس علم کی جائز وسعت کو بے جا طریقہ سے محدود کر دینا ہے۔ جو تصنیفات دور ماضیہ کے حکمرانوں بادشاہوں کے حالات اور ان کے عہد کے چند حیرت انگیز واقعات تک محدود ہوں۔ مورخ کیلئے یقیناً کافی ہوتے ہیں اسی لئے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ذرائع سے تفتیش و تحقیق کر کے دنیا کے سلسلے تاریخ کا ایک حد تک مکمل خاکہ پیش کرے۔

صوفیاء کے ملفوظات اور تذکروں کا مطالعہ ایسے واقعات کیلئے نہایت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ایسے واقعات کا ان سے انکشاف ہو جاتا ہے جن پر اکثر و بیشتر مورخین نے توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ ملفوظات اور تذکروں سے روزمرہ کی زندگی کا طریقہ اور عوام کی معاشرتی و تمدنی ترقی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو علم تاریخ کا جزو اعظم ہے مگر ان تمام امور سے الگ ایک وجہ اور بھی ہے جس سے ملفوظات اور تذکرے تاریخی حیثیت سے انتہائی قابل قدر ہیں۔ فقراء کی خدمت میں امیر و غریب۔ شاہ و گداہر ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں تھے۔ اور ضرورتاً بر سبیل ذکر و بکثرت واقعات اور صحیح حالات و معاملات بیان کر جاتے تھے۔ جن میں سے اکثر ملفوظ نگار اور تذکرہ نویس نے محفوظ کر لئے۔ یہ واقعات عام طور پر تصنیف صحیح ہوتے تھے۔ اس لئے کہ غلط بیانی تو شے دیگر ہے۔ پیر و مرشد سے تلبی کینیات کا اخفا بھی اس عہد میں اعتقاد ہی حیثیت سے گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔

سلاطینِ علیہ کے دور کا واقعہ ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی شہنشاہ ہند کے جاہ و جلال کا وقت تھا۔ حضرت امیر خسرو اس کے خاص معتمد تھے۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے قلب و نظر میں سمائے ہوئے تھے۔ ایک بار شہنشاہ نے بلا اطلاق حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ حضرت محبوب الہی بادشاہوں کی ملاقات سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے معلوم کر لیا کہ حضرت کس وقت مل سکتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کر دی کہ میرے اس ارادے کی اطلاع خبردار حضرت کو نہ ہونے پائے۔ حضرت امیر خسرو کو اس وقت تو بادشاہ سے وعدہ کرنا پڑا مگر گھڑ بیچ کر عقیدت و محبتِ مرشدی نے سخت گیری کی۔ نفسِ لوامہ نے گرفت کی۔ اپنے محرم راز سے راز شاہی کا اخفا کچھ پسند نہ آیا۔ حضرت کی خدمت کی حاضر ہوئے اور بلا خوف بادشاہ کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ آپ وقت مقرر پر دہلی سے باہر تشریف لے گئے اور بادشاہ کو بالیوس و دل گرفتہ واپس جانا پڑا۔ دوسرے روز جب امیر خسرو دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے سخت باز پرس کی اور پوچھا کہ یہ جرات تم نے کیسے کی؟ انھوں نے بلا خوف و ہمت لاکھ صاف صاف کہہ دیا کہ گھڑ بیچ کر دل نے ملامت کی کہ پیر و مرشد سے جو بادشاہِ حقیقی کا منظر و مظہر ہے کچھ چھپانا نارماندی کا باعث ہوگا۔ بخلاف اسکے ظاہر کر دینے میں آپ کی ناراضگی و خفگی کا اندیشہ ہے جس سے صرف دنیاوی ہزا اور تکالیف جھیلنا پڑیں گی اسی لئے میں نے آپ کی خفگی کو بہت آسان سمجھا اور حضرت کو اطلاع کر دی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدت مند امر اور درباریوں کی زبان سے جن واقعات کا تذکرہ اپنے معتقد علیہ صوفیاء کے سامنے ہوتا تھا ان کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے ملفوظات و تذکرے جس حد تک تاریخی واقعات کا پتہ دیتے ہیں ان کی شہادت بڑی وقیع اور قابلِ قدر ہے۔

زیر نظر تذکرہ کا ماخذ دراصل چار مخطوطات ہیں جن میں سے اصل ماخذ مقاماتِ عالیہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (حصہ اول معروف بہ سلسلۃ العالیین و حصہ دوم تذکرۃ الصدیقین) ہے۔ یہ شیخ محمد قاضی خلیفہ خاص حضرت خواجہ صاحب کی تالیف ہے۔ یہ کتاب سمرقند کے شاہی کتب خانہ میں رہی ہے۔ دونوں حصوں پر شاہی کتب خانہ کی مہر ہے۔ ۵۹۱ھ پڑھا جاتا ہے۔ سنہ کتابت نہیں درج ہے۔ صفحات ۲۵۲۔ مخطوطی خوشخط۔

دوسرا ماخذ فقرات خواجہ بیدائش احرار ہے۔ صفحات ۱۲۷-۱۲۸۔ سطر ۱۷۔ بخط خفی خوشخط۔ یہ نسخہ حضرت شیخ محمد معصوم لاہوری قلیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شیخ بیدائش صدیقی (خال کبر حضرت شاہ صاحب) نے اپنے دوست خواجہ محمد امین ولی اللہی کی فرمائش پر شاہ صاحب کے سفر حج ۱۱۲۱ھ میں لکھ کر پیش کیا تھا۔

رشحات عین الحیات تالیف علی بن حسین الواعظ الکاشفی المشہر بالصفی۔ مالک ابن رشاعلی بن محمد نصیر الدین الحسینی الواعظ۔ ربائی ملاجائی درمدح "رشحات"

من تاحیة الوصال جت نفحات  
فارتاح فواحدنا بشم الفوحات  
دردادی ہجر شنب لب مریم  
آمد ز سحاب لطف باناں رشخان  
محمد علی بن محمد نصیر  
۹۰۹ھ

یہ چھوٹی تقطیع میں ۴۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں فہرست بھی درج ہے۔ جس میں صد ہا عنوانات قائم کئے ہیں۔ بہت خوشخط اور ملاحظہ ہے۔ یہ نسخہ مولف کتاب کی ملک اور مطالعہ بھی رہا ہے۔ جس پر ان کے دستخط اور مہر بھی موجود ہیں۔ ان کے ہی ہاتھ لکھا ہوا وہ مذکورہ بالا قطع تاریخ بھی ہے جو راقم الحروف کی نظر سے اب تک کسی دوسرے مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ نسخہ میں نہیں گذرا۔

رشحات کا دوسرا نسخہ بہت خوشخط و مطلقاً محشی بھی ہے۔ اور بہت صحیح ہے۔ یہ بھی یقیناً تاشقند یا سمرقند کے شاہی کتب خانہ کا ملک تھا۔ جو بعد کو دیگر امرار کے پاس پہنچتا رہا۔ اس نسخہ میں آٹھ عدد مہریں بھی ہیں جن کو سیاہ روشنائی سے مٹایا گیا ہے۔ صرف ایک مہر پر سنہ ۹۱۰ھ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی سال تصنیف سے ایک سال بعد۔ نام نہیں پڑھا جاتا۔ دوسری مہر پر نام محمد نوٹ پڑھا جاتا ہے۔ سن نہیں پڑھا جاتا۔ آخری صفحہ پر ختم کتاب کے بعد ایک قرآنی آیت کا اعلیٰ کسی دوسرے کاتب کے ہاتھ لکھا ہوا ہے۔ جس کے آخر میں راقم نے لکھا ہے۔ "تمت رابع وجیب کتاب کے آخری صفحہ پر دو مہریں اور ہیں وہ بھی سیاہ روشنائی سے مٹادی گئی ہیں۔ علی قلم سے یہ عبارت ہے۔ "در سنہ ۹۲۰ھ دارالسلطنت تاشقند۔ نیچے کی مہر مٹی ہوئی ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے۔ "در تاریخ..... ۱۰۲۹ھ در دارالملک کابل بقیمت شش روپیہ خرید شد۔"

اکابر صوفیائے کرام کے ملفوظات کی بکثرت تعداد دستیاب ہوتی ہے۔ ہم اس وقت ان

میں سے صرف انہیں چار کوسا منے رکھ کر تبصرہ کر رہے ہیں تاکہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور و معروف بلکہ سرعقہ اولیائے عہد بزرگ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سمقندی کے تاریخی واقعات اور حالات ناظرین کے سامنے پیش کریں جن کو خاص طور بادشاہوں اور اراکین اصلاح کیلئے اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ ان کی ہی اتباع و پیروی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی۔ حضرت کے مفصل حالات و واقعات۔

ملکی خدمات سیاسی اثرات اور تعلیمات کی مکمل سوانح حیات کو ایڈٹ کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہوگا کہ پہلے ان کی تاریخی حیثیت ناظرین کے سامنے پیش کریں تاکہ واقعات کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اس موقع پر بھی بغرض تعارف یہ یاد دلانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار وہی امیر الامار بزرگ ہیں جن کے نام سے حضرت مولانا جامی نے اپنی بیشتر تصانیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان آپ کی منقبت میں قائم کیا ہے۔ اور ۳ اشعار صرف "یوسف وزینا" میں نظم کئے ہیں جن میں سے یہ شعر ہے

چو قمر اندر قبائے شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللہی آمد

بہت زباں زد ہو اسے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے طریقتاً جد ہیں۔ تاریخی کی بہت سی کتابوں میں آپ کا تذکرہ ہے۔ بابر نے اپنے چچا سلطان احمد نیرا بادشاہ سمقند کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید تھے۔ بادشاہ مذکور کو اتنی بڑی سطنت آپ نے ہی اپنے تصرف و قوت یا طنی سے عطا فرمائی جس کا دلچسپ و مفصل واقعہ سلسلۃ العارین میں مذکور ہے۔ وہ حضرت کے سامنے نہایت درجہ کا ادب و احترام کا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں کبھی انہوں نے ایک زانو دوسرے زانو پر نہیں رکھا۔ تمام عمر میں اپنی عادت کے خلاف صرف ایک مرتبہ سلطان احمد بادشاہ کی محفل میں سر چڑھ کر مؤدب بیٹھا۔ اس کے واپس جانے کے بعد حضرت کے اشارہ سے اسکی نشست کی بند دیکھی گئی تو وہاں ایک بڑی نوک دار بڑی ملی جس کی وجہ سے مجبوراً سلطان احمد کو خلاف معمول کرنا پڑا۔ وہ دو زانو نہ بیٹھ سکا۔ بادشاہ سلطان احمد کے باپ سلطان ابوسعید مرزا کو بھی حضرت خواجہ سے نہایت عقیدت تھی۔ صاحب تاریخ حبیب السیر لکھتے ہیں کہ۔

سلطان ابوسعید ملکی اور زینا کی مواملات

میں حضرت خواجہ عبید اللہ سے مشورہ کرتا تھا

سلطان ابوسعید کہہ کر تشییت امور ملک و

مدت پرستہ با حضرت خواجہ مشورتی کرد

واذ غایت نیاز مندی گا ہے پیادہ برابر پیش  
اور نہایت نیاز مندی سے آپکی سواری کے ساتھ چل کر اپنی کمال عقیدت مندی کا ثبوت پیش کرتا تھا

رشتہات میں جہاں موہن جانی کے اور متوفی استادوں کا ذکر ہے وہاں ان کے پیرومرشد یعنی خواجہ ناصر الدین عیدانہ سر نہرست ہیں۔ بے پناہ محبت و عقیدت کے رشتہ سے وہ اپنے آپ کو آخر عمر تک منسلک کرتے ہیں۔ علی اصغر حکمت اپنی کتاب "وسومہ بہ جامی" میں لکھتے ہیں کہ

"خواجہ ناصر الدین عیدانہ خراسان اور ماوراء النہر میں طائفہ نقشبندیہ کے رہبر و مرشد اور مولانا جانی کے ہم عصر تھے۔۔۔۔۔ سلطان ابوسعید گورکان اپنے تمام ملکی

معاملات ان کی ہی رائے اور ہدایت سے کرتا تھا۔ نیز ان کی ہی وساطت و شفاعت

سے اس کو ہر کام میں قبولیت اور فتح حاصل ہوتی تھی۔ ایک بار محض خواجہ کے فرمانے اور پھر تقاضا کرنے پر سمرقند و بخارا کے لوگوں سے ٹیکس معاف کر دیا تھا۔"

جب اس نے اپنے دارالسلطنت کو سمرقند سے ہرات منتقل کیا تو دوبار خواجہ کو خراسان سے تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ اسکی درخواست پر آپ پہلی بار ہرات تشریف لائے اور دوبارہ مرو۔

معین الدین اسفزاری اپنی مؤلفہ کتاب تاریخ ہرات میں آپ کے سفر کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ

"در ارضائے عزیزیت عراق از باطن آفتاب اشراق  
حضرت ولایت پناہ خواجہ ناصر الدین عبید اللہ قدس سرہ  
طلب بجا می نمود۔ و حضرت خواجہ از ماوراء النہر  
جب (سلطان ابوسعید نے عراق جانے کا عزم کر لیا تو  
حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ کو رباطن سے رہنمائی کا  
طالب ہوا۔ اس سفر سلسلہ میں آپ مشورے لئے عرض کیا

آپ (اسکی عرضداشت پر) ماوراء النہر سے خراسان روانہ ہو

جب مرو پہنچے تو سلطان ابوسعید باہر نکل کر تمام مراسم اعزاز

واکرام ادا کئے اور عظیم استقبال میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا

دوبار خواجہ ضامن اسکی مجلس میں تشریف لائے۔ او باشا مذکورہ

صلاح مشوروں کے بعد موافق حکم آئیہ کریمہ تدری نفس بای

تاریخ حبیب السیر جلد سوم۔ جز سوم صفحہ ۲۲۰ جامی

علی اصغر حکمت۔ تہران (بہمن ما) ۱۳۲۰۔ چاخابا نکملی۔ ایران

ہای ارضی تموت ریات فرقد فرسابہ جانب  
عراق بہفت فرمود حضرت خواجہ سسرہ بہ طرف  
ماوراء النہر بہ سعادت معاورت فرمود

ارض تھو (بہر نفس اس علم کس جگہ انتقال کریگا)  
اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ عراق کی جانب روانہ ہوا۔ اور حضرت  
خواجہ ماوراء النہر واپس تشریف لے گئے۔

مولنا جامی نے بھی سلسلہ الذہب کے دفتر اول میں خواجہ کامر و تشریف لانا اور بادشاہ کا ان کی  
تعظیم و تکریم کرنا اور وہ نصائح جو اس سفر میں انھوں نے خود مولنا جامی کو کی تھیں نہایت مخصوص انداز  
میں نظم کیا ہے۔

خواجہ بندگان کار آگاہ  
رُوح النور روح اسلافہ  
ناقت از التماس شاہجہاں  
چوں فرشتہ کہ انداز خوش آب  
الحق آل شاہ مسند ارشاد  
قبلہ مقبلاں عبید اللہ  
طول اللہ عمر اخلافہ  
از سمرقند سوئے مروغاں  
خواجہ می راند بارگی بہ شتاب  
خبر از حال خویش تن می داد

اور اس نظم میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ ارباب حاجت  
کی ملجاء و ماویٰ تھی اور آپ ماوراء النہر و خراسان میں لوگوں کی مشکلات حل فرمایا کرتے تھے اور  
نیاز مندوں کی خواہش پر (بادشاہوں کو) خطوط وغیرہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

اہل حاجت چو حاجیاں پوست  
بردہ از جوئبار فضلیش بہر  
دست فیاضن او بہ رشح قلم  
صورت بکلب او کلب نجات  
رقعہ او بہر کہ شد واصل  
باشد آن چوں نشان شاہ شجاع  
ساخت حکم شریعت و دین را  
زده در حلقہ در او دست  
چہ خراساں چہ ماوراء النہر  
شستہ از لوح ملک حرف ستم  
معنی خط او کفیل حیات  
آیتے یافت ز آسماں نازل  
مایہ دفع ظلم و رفع نزاع  
طوق گردن ہمہ سلاطین را

سعیش از ذیل دین برائے درست دارغ تمغا و لوٹ پر غوثیت  
 آری او ہست ابر رحمت بار ابرداشت و شوئے باشد کار  
 اپنی مثنوی تحفۃ الاحرار میں جا می نے اپنے انتساب کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور  
 ایک قطعہ میں خواجہ صاحب کے ان اقدامات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انھوں نے سیکس وغیرہ کے  
 منسوخی کے سلسلہ میں کئے ہیں اور مظلوموں کی شاہان وقت سے حمایت کی ہے

دادہ چو نم کلک گہر ریز را شمسہ نامہ چنگیز را  
 خامہ او کردہ ز شیخ زقاع مخط نامہ ظلم از بقاع  
 رقعہ او نوردہ ہر سو اد بقعہ او ثانی خیر البلاد  
 حلقہ اصحاب کہ گرد و بند بہرہ در از ذکر زور و دیند

اپنی شہرہ آفاق کتاب "نجات الانس" میں سلسلہ نقشبندیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اشعار تحریر  
 فرماتے ہیں اور ان اشعار سے مخاطب دراصل خواجہ عید اللہ ہی ہیں

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند کہ برندانرہ پنہاں بحر م قافلہ را  
 از دل سالک رہ جاذبہ صحبت شاں مابرد و سوسہ خلوت و فکر چلہ را  
 قاصرے گزند این طائفہ راطعن قصور حاش للہ کہ بر آرم بہ زباں این گلہ را  
 ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

(ترجمہ) یعنی حضرات نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ باطن کی راہ سے پورے قافلہ کو حرم ذات  
 تک لے جاتے ہیں۔ ان کی صحبت کے جاذبہ سے سالک کے دل سے خلوت اور چلہ کشی کی فکر کے وسوسے  
 محو ہو جاتے ہیں (یعنی وہ خلوت اور چلہ میں اپنے پیرو مشد کے حضور کی بدولت کسی وسوسہ میں نہیں  
 پھنستے) اگر کوئی اعتراض کرنے والا اس طائفہ پر طعن کرے تو میری زبان پر اس کا کوئی گلہ آئے  
 گا۔ سارے قلندر ان عظام یا انسان کامل اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ لومڑیاں اپنے مکر سے  
 اس سلسلہ میں کیسے دخل انداز ہوں گی۔

اگرچہ شہنشاہ بابر کے بچپن میں ہی حضرت خواجہ صاحب کی وفات ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اپنے  
 بررگوں کے ادب و احترام اور عقیدت کے باعث قدم بہ قدم اسکو بھی آپ سے نہایت درجہ عقیدت



تھی۔ شاہانِ مغلیہ سب ہی آپ کے اور آپ کے جانشینوں کے معتقد رہے۔ چنانچہ بابر نامہ میں ۶ نومبر ۱۵۲۸ء روز جمعہ کے واقعات میں بابر لکھتا ہے کہ "ایک بار میرے جسم میں اس قدر حدت بڑھ گئی تھی کہ میں جمعہ کی نماز بڑی مشکل سے پڑھ سکا تھا۔ ۲۷ صفر بروز منگل کو میں نے یہ منت مانی کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں اور میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر حضرت کی توجہ روحانیت سے مجکو صحت ہوگئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری یہ نظم بابر کا عبید اللہی میں اسی طرح مقبول ہوئی ہے جیسی صاحبِ قصیدہ بردہ کی۔ کہ قصیدہ بردہ کی مقبولیت کے انعام میں ان کو لقوہ و فالج سے صحت ہوگئی تھی۔ چنانچہ میں نے مولانا جامی کی "سبحۃ الاحرار" کے وزن پر نظم کرنا شروع کر دیا۔ گذشتہ سال ایک مہینہ یا چالیس روز گرفتار رہا تھا مگر اس سال خدا کی عنایت اور حضرت کی توجہ سے مجھ کو ۲۹ صفر روز چہار شنبہ کو چھٹکارا مل گیا صرف معمولی سا کسل باقی رہا۔

### رشحات اور سلسلۃ العارفین

تاریخ کی کتابوں سے حضرت خواجہ کے متعلق ہم کو ایسے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں۔ آپ کی مفصل سوانح حیات اور ملکی و سیاسی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہم ملفوظات کا بغور مطالعہ کریں۔ بابر نامہ کی مترجم سنز بو برج نے بھی غالباً اسی وجہ سے آپ کے صرف مطبوعہ ملفوظ یعنی رشحات کا مطالعہ کیا تھا جو اسکو دستیاب ہو سکا ہوگا اس نے اپنے ترجمہ بابر نامہ میں اس سے جا بجا نوٹ بھی لئے ہیں۔ رشحات مطبوعہ صورت میں ۳۶۰ صفحہ سے زائد کی کتاب ہے۔ صرف حضرت خواجہ کا ملفوظ نہیں ہے بلکہ اسمیں عام طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے بیشتر بزرگوں کے حالات ہیں۔ ملا فخر الدین علی بن حسین الواظظ الکاشفی (یعنی خلف الصدق مصنف الوارثی سہلی) اس ملفوظ کے جامع ہیں۔ سبب تالیف یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے آستانہ پر آخر ماہ ذیقعد ۸۸۹ھ اور اوائل ماہ ربیع الثانی ۸۹۳ھ میں صرف دو مرتبہ وہ حاضر ہو سکے۔ روزانہ جو کچھ آپ کی زبان سے سنتے اسکو اپنے دماغ میں محفوظ کر لیتے اور پھر گھر آکر لکھ لیتے تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اس روز نامچہ کی ترتیب شروع کی تاکہ مفارقت کی تکلیف آپ کی یاد سے کم ہو جائے اور دوسروں کو بھی استفادہ کا موقع ملے مگر یہ ملفوظ اپنی موجودہ حالت میں سولہ برس بعد مرتب ہو پایا۔ چونکہ اصل غرض حضرت خواجہ کے حالات کے بیان سے تھی اس لئے بعض بزرگان نقشبندیہ

کے کرامات اور ارشادات کے ساتھ بعض دیگر خاندانی حالات بھی اس میں اضافہ کئے گئے۔ کتاب کے خاتمہ پر ایک فارسی تاریخ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشحات تاریخی نام ہے۔

یابند محاسبان سنجیدہ صفات تاریخ تماش زحروف رشحات

رشحات مطبوعہ میں کتابت کی اتنی زائد غلطیاں ہیں کہ بعض جگہ تو عبارت کا صحیح مفہوم لینا ممکن ہی نہیں۔ رشحات میں دو مزید ملفوظات کا حوالہ ملتا ہے جن سے ہی مولف مذکور نے مدد لی ہے۔

حضرت خواجہ کے مخصوص خلفاء و اصحاب کے حالات میں حضرت مولانا محمد قاضی کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ مولانا نے حضرت خواجہ کے مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں ایک کا نام سلسلۃ العارفین اور دوسری کا تذکرۃ الصدیقین ہے۔ ہر دو کتابیں مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے نادر الوجود ہیں۔ راقم الحروف کو وہ دونوں کتابیں حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب قلندر قبلہ مدظلہ العالی نے مطالعہ کیلئے مرحمت فرمائیں اور حکم دیا کہ ان کو بغور مطالعہ کر کے شائع کر دو ان کے ہی بہت اور شوق دانے پر نیز ان کی ہی اعانت اور علمی مدد سے یہ تذکرہ مرتب ہوا۔ چونکہ کتاب پر مصنف کا نام ہے اور کتاب کا نام درج نہیں ہے اس لئے یہ خیال ہوا کہ رشحات سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ رشحات میں حضرت مولانا محمد قاضی عبداللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

حضرت مولانا محمد قاضی خواجہ کے جلیل القدر اصحاب میں ہیں۔ انھوں نے خواجہ کے فضائل مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام سلسلۃ العارفین اور تذکرۃ الصدیقین ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت کا خد میں میری حاضری کی ابتداء یوں ہوئی کہ کرمان کے ایک لب علم کرمانی مولانا نعمت اللہ از سمرقند

حضرت مولانا محمد قاضی اجل اصحاب حضرت ایشا در منا و شمائل و خصائص و فضائل ان حضرت کتاب تالیف کردہ اندر مستحی بہ سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین در آنجا آوردہ اند کہ ابتدائے ملازمت من حضرت ایشاں آں بود کہ طالب علم کرمانی مولانا نعمت اللہ از سمرقند

حضرت خواجہ صاحب کے حالات جن جن کتابوں میں دیکھے ان سے علم ہوا کہ سب کا اصل ماخذ یہی مجموعہ "سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین" ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے خلیفہ و داماد میر عبدالاول نے بھی ایک رسالہ "مسموعات خواجہ عبید اللہ از سمرقند" فرمایا تھا اس کا یہی ماخذ یہی مجموعہ ہے۔

کے ارادہ ہم نکلے۔ شادماں گاؤں پہنچے تو لوہ اور گرمی کی شدت کی وجہ ہم رک گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ حضرت خواجہ پہنچے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ عرض کیا سمرقند سے۔ پھر آپ گفتگو میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ میرے دل میں تھا سب بغیر میرے کہے اظہار فرما دیا۔ منجملہ ان کے ایک بات ایسی تھی جو فقیر کو در بدر پھر اری تھی اس کا اس طرح اظہار فرما دیا کہ فقیر کا دل آپ کی جانب منجذب ہو گیا۔

تلاش بسیار کے بعد اس قلمی ملفوظ میں بعینہ یہ واقعہ ان الفاظ میں مل گیا۔

فقیر مولف کتاب ہذا کی حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری کی ابتداء یوں ہوئی کہ کربان کے ایک طالب علم مولانا نعمت اللہ کے ساتھ سمرقند سے ہر ا جانے کے ارادہ ہم نکلے۔ جب شادماں گاؤں پہنچے تو مولانا نعمت اللہ سے میں نے کہا کہ ہوا نہایت گرم ہے..... تھوڑی دیر حضرت خواجہ کے باغ میں ہم رک جائیں تاکہ ہوا قدرے کم ہو جائے۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ ایک شخص نے آکر بتایا کہ حضرت خواجہ آرہے ہیں یہ سن کر ہم رک گئے۔ اتنے میں آپ آئے اور میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو۔ پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ میرے دل میں تھا بغیر میرے کہے اظہار فرمایا

بہ عزیمت ہرات بیروں آمدہ بودیم چون بندہ شادماں رسیدیم و بواسطہ گرمی و ہوا وقت کریم نماز دیگر بود کہ حضرت ایشاں رسیدہ بہ ملازمت رفقہ پر رسیدند از کجائی۔ گفتم از سمرقند۔ بعد ازاں بہ حکایت مشغول شدند و اپنے در خاطر بود ہمہ را اظہار فرمودند۔ ازاں جملہ سخنے بود کہ فقیر اسرگشتہ ساختہ ازیں ولایت می برد آں را برو جہے اظہار کردند کہ خاطر فقیر بجانب ایشاں قوی منجذب شد۔

در ابتداء آن کہ میں فقیر جامع این جمع و تالیف خدمت حضرت ایشاں مشرف شد م آں بعد کہ بہ مولانا نعمت اللہ طالب علم کے کربانی از سمرقند بہ عزیمت ہرات توجہ شدہ بیروں آمدہ بودیم یہ قریہ شادماں رسیدیم۔ بمولانا نعمت اللہ گفتم کہ ہوا بہ غایت گرم است..... لفظہ در باغ حضرت خواجہ توقف کنیم تا ہوا بہ اعتدال شود چنان کریم۔ نماز دیگر سے بود کہ شخصے آمد کہ حضرت خواجہ می آیند۔ توقف کریم لفظہ بود کہ حضرت ایشاں آمدند۔ بہ ہماں جائے کہ ما بودیم متوجہ ایں مکینہ شدند و فرمودند کہ از کجائی و بہ حکایت مشغول

شدند و انچہ بہ خاطر ما بود ہمہ را انظہار کردند۔ از انجملہ  
(سخنے بود) کہ فقیر را سرگشتہ ساختہ ازین ولای می برد  
آن را برو چہے کردند کہ خاطر فقیر بجا ایشان توی نگراں شد

مبغلا ان باتوں کے ایک با ایسی تھی جو فقیر کو پریشان  
کئے ہوئے تھی اور شہر شہر پھرا رہی تھی اس اپنے اس اظہار  
فرمایا کہ میرا دل آپ کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گیا۔

سوائے چند الفاظ کے تغیر و تبدل کے بعینہ وہی عبارت ہے اس کے بعد حضرت مولانا محمد  
قاضی جامع ملفوظات کے مزید حالات کی تلاش ہوئی۔ اگرچہ مولفہ رشحات نے مختصر حالات لکھے  
ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند واقعات "باہر نامہ" اور "تجیب السیر" کے مطالعہ سے بھی دستیاب ہوئے۔  
یہی حضرت خواجہ مولانا محمد قاضی ہیں کیونکہ اس نام کا خواجہ عبید اللہ احرار کے مخصوص خلفاء و اصحاب  
میں آپ کے ہوا دوسرا نہ تھا۔

ان کا اصل نام عبد اللہ تھا اور یہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید و خلیفہ خاص  
تھے اور انہیں کے تربیت یافتہ بھی تھے۔ آپ حضرت خواجہ صاحب کے آخر عہد میں تو اٹھارہ سال  
شب و روز خلوت و جلوت میں حاضر رہے اور حضرت کے حکم سے ہی ان کے حالات اور چشم دید  
واقعات اور ارشادات قلمبند فرماتے رہے ہیں۔ گلزار ابرار میں حضرت ملا محمد غوثی تحریر فرماتے  
ہیں کہ "حضرت خواجہ صاحب جب حقایق و معارف بیان فرماتے تو اصل مخاطب حضرت مولانا محمد  
قاضی ہوتے تھے" اس میں شک نہیں کہ آپ ولہی کامل تھے کیونکہ آپ کے قتل میں سعی و کوشش  
کرنے والے اور قاتل چند ہی دنوں میں نیست و نابود ہو گئے۔

باہر نامہ میں ایک جگہ تو سمرقند کو پہلی مرتبہ چھوڑ کر آنے کے بیان میں شہنشاہ باہر نے  
لکھا ہے کہ میرے استاد اور پیر حضرت مولانا محمد قاضی کے خطوط آئے جن میں سمرقند واپس آنے  
کی فرمائش تھی اور دوسری مرتبہ اپنے لشکر کے چند پہنچنے اور دشمنوں کے اندجان پر قابض ہونے  
کے واقعات میں تذکرہ کرتے ہوئے باہر لکھتا ہے کہ :-

"آہ۔ دشمنوں نے میرے حضرت خواجہ و مولانا قاضی کو شہید

کر ڈالا اور بڑی بے حرمتی سے ان کی لاش قلعہ کے دروازہ پر لٹکائی  
گئی۔"

تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ اسی نوعیت سے درج ہے جس کے چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں:-

”خواجہ مولانا قاضی راکہ موسوم بہ عبداللہ بود  
و بدستور مہرود در دو خواہی حضرت پادشاہی سخی  
می نمود بر درارک شہید ساختند حالانکہ  
آنحضرت از جملہ یافتگان حضرت ولایت پناہ  
خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار بود“

خواجہ مولانا قاضی جو عبداللہ کے نام سے موسوم تھے  
اور بادشاہ کی خیر خواہی میں ہمہ وقت کوشاں  
رہتے تھے قلعہ کے دروازے پر شہید کر دیئے  
گئے..... حالانکہ وہ حضرت  
خواجہ عبید اللہ احرار کے خاص تربیت یافتہ تھے۔  
تاریخ کی کتابوں سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد قاضی حضرت خواجہ صاحب کے  
جلیل القدر خلفاء و اصحاب میں سے تھے۔ ان کا جامع ملفوظات ہونا ہم کو علاوہ ”کلنزار ابرار“ ”بجز خاں“  
”رشحات“ اور اب آپ کے ملفوظات سے معلوم ہوا۔ دوسرے حصہ موسوم بہ ”سلسلہ العارفین“ کے  
ایک حصہ کے خاتمہ پر اس عبارت کا موجود ہونا

”و جمع من ہو مقبول و منظور لخصوة العالی..... المشہور بین الخلائق..... لمولانا محمد قاضی“  
اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ یہ وہی بزرگ ہیں۔ ان کی شہادت کا واقعہ ”رشحات“ میں نہ ہونا باطل  
ترین قیاس ہے اس لئے کہ ”رشحات“ کے مرتب کرنے کے وقت وہ یقیناً زندہ تھے جیسا کہ ان کے  
حالات کی عبارت سے پتہ چلتا ہے شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر نے ”بابر نامہ“ بعد کو لکھا ہے۔ تاریخ  
حبیب السیر جلد دوم جزو سوم صفحہ ۳۱ پر بابر کا خواجہ صاحب کو خواب میں دیکھنا اور ان کے اشارہ پر  
سمرقند کو فتح کرنے کا واقعہ بھی بڑے شد و مد سے لکھا ہے۔

# احرار

انسان کی فکری ارتقا کیلئے زندگی کے ہر موڑ پر - قید و بند کی ہر کڑی پر مبصر - مفکر - دانشور اور مذہبی رہنما کی ضرورت ہے جو گوشہ عزلت میں رہ کر کارہائے نمایاں دے اور اپنی اشاعت و تشہیر نہ چاہنے کے باوجود بھی نہ صرف عہد ساز بن جائے بلکہ اسکی ہر آواز زمانہ قدیم و جدید کیلئے صدائے وقت اور نوائے سر و ش بھی بن جائے اور صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اس کے کارنامے کالوں میں جلتے رنگ بن کر گونجتے رہیں اور وہ عہد ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا سے یکسر عاری ہو اور دقیق مسائل - پرتپج مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسکے دامن سے تمسک لابدی ہو - ایسا ہی شخص صحیح معنوں میں قیادت کا اہل - اسلام کا امین اور قومیت کی تعمیر کا اصل عنصر ہے اور اسکی باعمل زندگی ہر حیثیت سے دوسروں کیلئے قابل تقلید ہے -

تاریخ عالم کے وسیع و عریض مطلع فلک پر ہزاروں کواکب تاباں و درخشاں ہوئے - کہیں پر عقد شریا کا جھرمٹ کہیں ماہ تاباں کی خنک اور جانفزا چاندنی - کہیں قطب ستارہ کا استحکام اور اس کا اپنے مسلک پر ڈٹے رہنا اور گم کردہ راہ انسانوں کی اور جہازوں کی رہنمائی کرنا یہ وہ تمثیلی حقیقتیں ہیں جو کشتگانِ خیمہ تسلیم اور جاں دادگانِ حسن ازل پر بھی صادق آتی ہیں - فلک و ازل پر اور آسماں کے نیلگوں بساط پر جو نقش و نگار اور طلسم آرائی ہے وہی کارخانہ عالم میں بھی بصد حسن و رعنائی جلوہ نما ہے - تقدیروں کے پلٹنے والے - دلوں کی دنیا بدلنے والے عشق و حسن سے ربط خاص پیدا کرنے والے - نیاز کوناز کی مسند قبولیت پر بٹھانے والے - آئے پھمکے - دمکے - لہکے اور دلوں کو چمکا کر اپنی ذات کے حسن سے ذرہ ہائے خاک راہ کو جمال ہم نشینی سے جمیل بنا کر اپنا مقصد اعلیٰ اور اقدار بلند کو دلوں میں جاگزیں کر کے جہاں اور جہا نیان عالم کو فنا میں بقا کی خلعت عطا کرتے ہوئے ذاتِ حق سے واصل ہو گئے - ان کی مبارک و مقدس زندگیاں زبانِ حال سے یہ کہتی ہوئی نظر تصور کو آئینہ حیراں بنا رہی ہیں کہ

حاصل عمر نثار رہا رہے کر دم شادم از زندگی خویش کہارے کر دم

وہ نفوس قدسیہ جو اس جہانِ آب و گل کے جانہائے تمنا رہے ان میں مولانا رومؒ ہیں جن کی مثنوی بہت قرآنِ در زبان پہلوی ہے۔ فرید الدین عطارؒ ہیں جن کی مثنوی ”منطق الطیر“ ہے۔ مولانا جامیؒ ہیں جن کی ”یوسف زلیخا“ ہے۔ امیر خسروؒ ہیں جن کی ”لیلیٰ مجنوں“ میں خفایق و معارف اور پند و نصائح کے وہ رموز و نکات ہیں جنہوں نے مردہ دلوں میں جانِ تازہ ڈال دی ہے۔ ان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں جو نائبِ رسولؐ بن کر اس ظلمتِ کدہ عالم میں آئے اور اپنے نورِ عرفان سے ہزاروں دلوں کی قلبِ ماہیت کر کے بقعہ نور بنا دیا۔ شاہی اقتدار کی کلائی مروڑ کر رکھ دی اور تین تنہا اس جہاں کا بیڑا اٹھایا جس نے تاجِ شاہی کو خاکِ مذلت پر سرنگوں کر دیا۔ بادشاہِ وقت کو عارفِ کامل بنا دیا اور اپنے کرامات اور اخلاقِ حسنہ سے دل موہ لے۔ انہیں عارفانِ کامل کے چمنستان اور گلشنِ رنگیں میں ایک بزرگ ہستی گلِ سرسبد کی طرح کچمِ عدم سے منصہ شہود پر بصد آب و تاب جلوہ نما ہوئی۔ جس نے خود گری۔ خود نگری اور خود شکنی کے تمام مراحل طے کئے اور جریدہ عالم پر نقشِ دوام ثبت کر گئی۔ ہاتھِ غیب نے اولئک ہم الواسٹون کی ندادی بشر المؤمنین کا حکم دیا اور اولئک ہم المقربون فدوح وریحان و جنة نعیم کی بشارتِ عظمیٰ سے سرفراز اور وعلماہ من لدنا علما کی خلعتِ فاخرہ سے مزین فرمایا۔ یہ تھے خواجہ ناصر الدین عبید اللہ۔ احراریوں کے قافلہ سالار۔ نقشبندیوں کے رُوح رواں۔ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن۔ اور اقلیمِ ولایت کے تاجدار۔

زیر نظر سطور لکھنے سے قبل لفظِ احرار کی وجہ تسمیہ کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ ناظرین اسکی اہمیت سے لاعلم نہ رہیں چنانچہ جدید تقاضوں کے پیش نظر احرار کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے علاوہ روحانی مفہوم کو بھی تحریر کیا جاتا ہے۔

لفظِ احرار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مقاماتِ سلوک میں ایک مقام حفظ العہد ہے (یعنی عہد کی پابندی) اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے ”ہو الوقوف عند ما حدّہ اللہ تعالیٰ لعبادہ“ (یعنی اس مقام پر پڑھنا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے محدود کر دیا ہے) اور حفظ کی دو قسمیں ہیں ایک حفظ عہد الربوبیۃ (یعنی ربوبیت کے عہد کی پابندی) دوسری حفظ عہد العبودیۃ (یعنی عبودیت کے عہد کی پابندی) ربوبیت کے عہد کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ تمام

کمالات رب کی طرف منسوب کئے جائیں اور عبودیت کے عہد کی پابندی یہ ہے کہ تمام نقصانات بندہ کی طرف منسوب کئے جائیں جیسا کہ قرآن پاک کی تعلیم ہے کہ "مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ"۔ (یعنی اے میرے بند سے اگر تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر نقصان پہنچے تو یہ سمجھ لے کہ یہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اور وہی وہ عہد تھا جس کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام نے رہنا ظلمنا انفسنا کہہ کر کی جب ان سے ان کے رب نے اپنے فاعل حقیقی ہونے کی دلیل پیش کی۔

جس وقت موعدا اور باصفا صوفی میں اذکار و اشغال اور ریاضات و عبادت کی بدولت حفظ العہد کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے آثار اسکے احوال و عادات اور اوقات کا احاطہ کر لیتے ہیں تو حکمت اجمالی کا جمال اسکی چشم بصیرت کو نظر آنے لگتا ہے۔ اور حکمت اجمالی سے مراد ہے "ہی العلم بحقایق الاشياء و اوصافها و احكامها علی ما علیہ و ارتباط الاسباب بالمسبب و اسرار الضابط نظام الموجودات و العمل بمقتضاہ" یعنی اجمالی حکمت کے مفہوم میں موربہ ذیل داخل ہیں۔ اول اشیا کی حقیقت اور ان کے اوصاف و احکام کا علم جیسی وہ ہیں دوم اسباب کا سبب کے ساتھ ربط کا علم۔ سوم اس بات کا علم کہ نظام موجودات کس طرح منضبط ہے۔ چہارم علم کے مقتضائے مطابق عمل کرنا۔ اور من یؤتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا کے مطابق حکمت مذکور کی مفصلہ ذیل چاروں قسموں پر بھی صوفی کو اطلاع دی جاتی ہے یہ چاروں قسمیں ترتیب وار خیر کثیر میں داخل ہیں۔ پہلی حکمت حکمت منطوق ہے

الحکمة المنطوق وہی علوم الشریعة والطریقة۔ یعنی جس حکمت کے سلسلہ میں کلام کیا جا سکتا ہے وہ شریعت و طریقت کے علوم ہیں۔

دوسری حکمت :- الحکمة المسکوت عنہا وہی اسرار الحقیقة۔ یعنی وہ حکمت جس کے سلسلہ میں سکوت اولیٰ ہے وہ حقیقت کے اسرار ہیں۔

چونکہ استدلال و تقلید اور منطقی روش گائیوں میں الجھے اور گرفتار لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور عقل کے معیار پر اس کو پرکھتے ہیں اور عقل کے چراغ سے خدا کی راہ نظر نہیں آتی لہذا اس سلسلہ میں کلام کرنے کے مقابلہ میں سکوت زائد بہتر ہے۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ



کے ایک راستہ سے اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے اثنائے راہ میں ایک عورت سامنے آئی اور آپ کو قسم دیکر معہ صحابہ کے اپنے گھر تشریف لیچنے کو عرض کیا۔ آپ وہاں گئے دیکھا کہ ایک آگ بھڑک رہی ہے اور اس عورت کے بچے اس آگ کے ارد گرد جمع ہیں اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زائد مہربان ہے یا میں اپنے بچوں پر۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زائد رحیم ہے (تجہ سے) بلکہ جتنے رحم کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سب سے زائد رحم کرنے والا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے کسی بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا کروں گی اور اگر میں گوارا نہ کروں گی تو اللہ کیسے اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے غلاموں اور بندوں کو آگ میں ڈال دے وہ تو رحم الراحمین ہے۔“ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر رو دیتے اور فرمایا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی وحی آئی ہے (یعنی سببت رحمتی علی غضبی)

تیسری حکمت حکمت مجہولہ ہے اور وہ ایسی حکمت ہے جس کی وجہ ہم لوگوں سے مخفی ہے جیسے بعض بندوں کی تکلیفات۔ اطفال کی موت۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ اس حکمت پر ایمان لانا اور اسکے وقوع پر راضی رہنا اور اسکو عدل اور سراسر حق سمجھنا نسخہ ایمان کا جزو اعظم ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا واجب اور عین ایمان ہے۔

چوتھی حکمت حکمت جامعہ ہے اور اس میں یہ باتیں داخل ہیں (۱) حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنا۔ (۲) باطل کی معرفت اور اس سے اجتناب (پیرہیز) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللھم ابرنا الحق وانما قناتنا عباده وانما الباطل وانما قناتنا اجتنابہ انک عجیب الدعوات (اے اللہ ہم کو حق دکھا اور اس کا اتباع نصیب کر اور ہم کو باطل کا علم دے اور اس سے بچا بیشک تو دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے)

اس ساری تمہید کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مرتبوں کے تحفظ کا ملکہ اور چاروں حکمتیں حاصل ہونے کی بدولت صوفی مذکورہ حجتہ الحق علی الخلق ہو جاتا ہے جس سے مراد انسان کامل ہے اور مرتبہ خلافت پر فائز ہو کر حریت کا لباس پہن لیتا ہے اور حریت کے لغوی معنی آزادی کے ہیں اور حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں حریت سے مراد ہے غیر کی غلامی سے آزاد ہونا ہے ہی الاطلاق عن

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود زہر چہ رنگ تعلق پذیر و آزاد است  
 اور حریت کی بھی تین قسمیں ہیں پہلی حریت عامہ یعنی خواہشات نفسانی سے رہائی پانا۔ دوسری  
 حریت خاصہ یعنی اپنے مقاصد و مرادات سے آزاد ہو کر حق کے ارادہ میں فانی ہو جانا۔ ثلثاً  
 ارادة العبد في امر اذ الحق تیسری حریت خاص النخاصہ یعنی سالک کو جو اوار و تجلیات میں  
 اپنے کو ہلاک کر دینے کی آرزو اور اس کے لوازمات و آثار سے دستگیری رہتی ہے اس سے بھی نجات  
 و رستگاری پانا ہے نامرادی کی بھی طلب نہ ہے یہی پایان نامرادی ہے  
 اب صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو شے محض بخشش الہی سے قلب پر وارد ہوتی ہے جیسے  
 غلامی۔ آزادی۔ غم۔ خوشی۔ قبض۔ بسط وہ شے نفسانی صفات کے ظہور سے زائل ہو جاتی ہے  
 خواہ اسکے عقب میں میلان ہو یا نہ ہو۔ یہ چیز اگر دوام کے ساتھ قائم ہو تو اسکو مقام کہتے ہیں جس  
 پر بقدر مشیت نالک قیام کرتا ہے۔

اس سب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چاروں مذکورہ بالا حکمتوں اور بیہوشیوں حریتوں کا بیک وقت  
 ایک ہستی میں اجتماع اور اس مقام پر فائز ہونے کا نام انسان کامل ہے کامل وہ نہیں ہے  
 جو صرف کشف و کرامات میں کامل ہو بلکہ کامل وہ ہے جسکی ہر بات بروجہ کمال ہو۔ حکمت سے  
 تصوراتی دنیا کا تفکر مراد ہے تصورات کی دنیا میں بھی حقیقت کے متعدد درجے ہیں سب سے اہم  
 تصور خیر اعلیٰ کا نام ہے خیر اعلیٰ کی بھی متعدد اقسام ہیں یعنی عدل۔ شجاعت۔ اعتدال۔ سخاوت  
 تواضع۔ فروتنی۔ اور ایثار وغیرہ وغیرہ۔ یہی خیر اعلیٰ ہر زندگی کا نصب العین۔ ہر نیکی کا سرچشمہ ہر اچھائی  
 کا محرک اور ہر تصور کی جان ہے ایک پیشوا کی زندگی انہیں سب کا خلاصہ ہے اور اسکے لئے ہر قریح و محمل  
 پر اس سب کا تحفظ اور رکھ رکھاؤ ضروری ہے۔ یہی مذہب کا منشا۔ فطرت انسانی کا مقتضا اور  
 سنت رسولؐ کی پابندی ہے۔ یہی مقاصد انسان کو مقصود اصلی تک پہنچانے والے ہیں اور اسے  
 صفات الہی سے متصف کر کے آیت صفة اللہ من احسن من اللہ صفة کا منظر جامع بنا  
 دیتے ہیں بقول شاعر

رنگ لایا ہے یہ ضبط الفت کیسوںے دوست آخر اپنے پیر ہن سے بھوٹ نکلی بونے دوست  
 یہی وہ مقام ہے جہیں ذات حق کے اختیارات فانی فی اللہ اور باقی باللہ انسان کو تقویٰ ہو جائے

ہیں جس کا اظہار قرآن کریم ان الفاظ میں کرتا ہے کہ وَمَا تَرَامِيْت اِذْ سَأَلْتَهُ لَمَّا لَمَّ بِعِيسَىٰ  
 مَجِبًا لِّاٰدِیْنَ اُوْرَا سَكٰی مَشِيْتِيْنَ حَبِيْبٌ وَّ مَجْبُوْبٌ كَيْ دَسِيْلَهٗ سَعِيْرًا تٰتِيْهِمْ سَعِيْرًا  
 كَفَّةً اَوْ كَفَّةً التَّرٰوُدُ كَرِيْمًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ لُوْدُ

اسی سلسلہ میں قرآن کریم میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقام قاب تو سین اد ادنیٰ پر فائز ہونے  
 کے بعد عبد کا خطاب ملتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے اور مقام رسول الہی کے بعد یہ مقام  
 عبدیت عنایت فرمایا جاتا ہے جو اپنی جگہ مانع اور جامع ہے۔ یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بہت  
 بڑا احسان ہے کہ اس قرب و اتصال کے بعد عالم انسانیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے  
 لئے محبوب سے بُعدیت اور مفارقت گوارا کی گئی۔ اور ہر آزادی کچھ قیود اور پابندیوں کی بھی  
 متقاضی ہے۔ آزادی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کچھ زنجیریں بھی ہیں جو اس آزادی  
 کو موثر اور اثر انگیز بنا دیتی ہیں۔ اس جگہ یہ حدیث شریف شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا جو ابتلا مجھ پر ڈالی گئی وہ زمانہ سابقہ میں مجھ سے پہلے کسی پیغمبر پر نہیں ڈالی گئی  
 کہ ایک طرف تو مجھے سارے عالم کی کچیاں عطا فرمائی گئیں تو دوسری طرف مجھے ایک ہوئی  
 کا قرضدار بھی ہونا پڑا۔

جنوں کی جامہ دری اور خرد کی بچیگری تمام عالم مستی۔ تمام بے خبری  
 اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے آزاد ہونا انسان کی آخری منزل ہے اور وہ  
 آدمی جو شان بے نیازی اختیار کرتا ہے اور خلق کے احسانات سے دور دور نہ ہونے کی کوشش  
 کرتا ہے وہی اپنی بے مثال جرات و ہمت اور روحانی طاقت سے اسکی۔ اخلاقی ذہنی اور  
 روحانی تربیت کر سکتا ہے۔ اور یہ تمام مواقع وافر مقدار میں خواجہ عبید اللہ احرار کو حاصل  
 تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کا رعب و داب بادشاہوں کو بھی مرعوب کئے رہتا تھا۔ وہ دینی  
 مال و منال رکھتے ہوئے بھی بایں معنی بے نوا تھے کہ ان کا دل محبت الہی کی لازوال دولت  
 سے مالا مال تھا۔ جسیں مال کی ہوس کا کہیں گذر نہیں تھا۔ وہ ان خاصانِ خدا میں تھے جن  
 پر یہ شعر صادق آتا ہے

بہ ساز بے نوائی ہمہ سوز بے نیازی دل شاہ لرزہ گیر دگر گدائے بے نوائے

# سوانحی حالات

خواجہ ناصر الدین عبید اللہ لفظ احرار سے نامزد تھے۔ لفظ احرار کی مکمل تشریح سابقہ اوراق میں گذر چکی ہے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ محمود ابن خواجہ شہاب الدین شاشی تھا اور وہ خواجہ محمد نامی کے پوتے تھے جو متبحر عالم ابو بکر محمد بن اسمعیل قضا شافعی کے دوستوں میں تھے۔ شیخ ابو بکر کاشفی و کسی علوم میں کوئی ثانی نہ تھا۔ احرار الاویار کی والدہ ماجدہ خواجہ داؤد ابن خواجہ خاوند ظہور ابن شیخ عمر باغستانی کی صاحبزادی تھیں ان کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے امام عبداللہ ابن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے

۱۔ شیخ عمر باغستانی کے ایک گاؤں کے باشندہ تھے (تاشقند کے پہاڑوں میں سے) آپ کا سلسلہ واسطوں سے فرزند حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے جدِ مادری اور قطبِ اولیٰ صلیب شیخ مجذوب محبوب شیخ حسن بلغاری کے مرید اور ان کے اصحاب میں تھے اور وہ شمس الدین محمد رازی کے اور وہ شیخ حسن سقاوی کے اور وہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے مرید تھے۔ شیخ حسن دراصل آذربایجان کے ایک قصبہ نخوان کے باشندہ تھے۔ ۲۳ سال کی عمر میں دشت قیچاق میں کفار کے پائے پڑ گئے۔ اور سات سال قید رہے۔ تیس سال کی عمر میں سیاحت کونکلے۔ اور بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ ۹ سال بلغاری میں تین سال بخارا میں۔ سات سال کرمان میں۔ ۹۳ سال کی عمر پائی۔ فرماتے تھے کہ میری قطبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر واقع ہوئی ہے۔ اور جذبہ کے روز سے میری عمر حضور کی حیات طیبہ کے موافق ہوگی۔ یعنی ۶۳ سال کی۔ شیخ عمر باغستانی نے شیخ حسن سے تین سال نکاٹیں رہ کر تعلیم و تلقین حاصل کی۔ وہ نہایت صاحبِ کمال و مقام تھے۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوتا اس سے پوچھتے کہ تمہارے گاؤں میں کوئی مسجد ہے اگر وہ جی ہاں کہتا تو اس سے فرماتے کہ مسلمان کے طریقہ جانتے ہو۔ اسپر بھی اگر وہ جی کہتا تو اس سے پوچھتے کہ ”پھر یہاں کیوں آئے ہو۔ اکثر اپنے صاحبزادے سے (شیخ خاوند ظہور) سے فرماتے کہ ”صوفی مشو۔ ای مشو۔ آن مشو۔ مسلمان شو۔“ آپ نے ۲۲ ربیع الاول ۷۹۸ھ میں وفات پائی۔ اور سرزمین نبویہ میں دفن ہوئے۔ ”اں شفا بخش معلولان امراض حیرانی۔ اں نجات دہندہ مجوسان زندانِ نفسانی۔ اں کاشفِ اسرار نہانی۔ حضرت شیخ عمر باغستانی (بحرِ زار ۲ ص ۷) آپ کا مفضل حالِ رشحات میں مذکور ہے۔

آپ کی ولادت ماہِ رمضان ۱۸۰۶ء میں ہوئی۔ آثارِ ہدایت و سعادت جہیں کرامت آگئیں  
میں ابتدا سے ہی تاباں و درخشاں تھے۔ جس کی نظر بھی روئے مبارک پر پڑتی بہ زبانِ حال بے اختیار اٹھتا ہے

ستارہ خطِ تراخواندہ و ثناگفتہ فرشتہ روئے ترا دیدہ و دعاگفتہ

مولانا عبداللہ سرہلی بیان کرتے تھے کہ میرے باپ حضرت خواجہ نظام الدین کے مخلص معتقد  
تھے۔ مولانا اکثر ہمارے گھر آتے اور میرے والد آپ کی خدمت پر کمر بستہ ہوتے اور حضرت اکثر  
مراقبہ بھی فرماتے تھے ایک روز آپ مراقب تھے اور میرے والد قریب ہی کسی کام میں مصروف  
تھے۔ اچانک آپ نے سر اٹھا کر زور سے ان کو آواز دی۔ میرے والد نے جب ان کی آواز سنی تو  
ایسا سب کام چھوڑ چھا خدمت میں حاضر ہوئے اور سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا ”مشرق میں ایک  
شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام خواجہ عبید اللہ ہے اس نے تمام روئے زمین کو اپنی گرفت میں لے لیا  
ہے وہ بڑی عجیب اور بزرگ شخصیت والا ہے لے

آپ خور فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار میرے جدِ محترم کے مرض الوصال میں ان کے  
پاس گئے۔ میرے چچا خواجہ محمد یحییٰ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان سے ترکی زبان میں فرمایا  
”جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ“ وہ خواجہ اسحاق کو لے آئے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ یہ بہت  
سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا۔ پھر خواجہ اسحاق کے بھائی خواجہ مسعود کو طلب فرمایا اور ان سے بھی  
یہی فرمایا کہ یہ بھی بہت سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا۔ اور اسحاق کو بھی سرگرداں کرے گا۔ پھر میرے  
والد سے فرمایا جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لیکر آئے۔ آپ نے مجھے اوپر سے نیچے تک  
دیکھا اور فرمایا کہ ”میرا یہ بیٹا عالمگیر ہو گا اور شریعت و طریقت اس سے رونق پذیر ہو گی“ پھر فرمایا  
”کہ میں جس لڑکے کو طلب کر رہا تھا وہ یہی ہے لے

آپ کی والدہ ماجدہ جب تک نفاس سے فارغ نہ ہو گئیں آپ نے ان کا دودھ نہ پیا  
آپ کی دایہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز زمانہ شیر خوارگی میں میری کوشش کے باوجود آپ  
نے دودھ نہ پیا میں نے یہ صورت حال دیکھ کر آپ کی والدہ سے پریشان ہو کر عرض کیا۔ انھوں

نے فرمایا کہ غالباً تم نے کوئی مشتبہ چیز کھائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ میں اپنی ایک رشتہ دار کے وہاں گئی تھی اس نے اخلاقاً میری ضیافت کی تھی۔ فرمایا کہ بس یہی بات ہے۔ تم تین روز روزہ رکھو شاید اس کے بعد دودھ پیئیں۔ میں نے ان کے فرمانے کے مطابق تین روزے رکھے۔ چوتھے روز بمشکل تمام آپ نے دودھ نوش کیا۔ اس قسم کے بکثرت واقعات شیرخوارگی کے دوران آپ سے صادر ہوئے

چار سال کی عمر سے ہی آپ کی نسبت مع اللہ ہی اتنی قوی تھی کہ کسی وقت اس سے غافل نہ ہوتے حتیٰ کہ مکتب کی آمدورفت میں بھی ایک لمحہ اس سے خالی نہ گذرتا۔ ایک بار مکتب جا رہے تھے شدید سردی کا زمانہ تھا۔ تیز ہوا میں جسم کو یخ بستہ کئے ہوئے تھیں۔ آپ اسی نسبت میں گم چلے جا رہے تھے اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور پیر معہ جوتے کے دلدل میں پھنس گیا۔ جوتانکالتے وقت اسی نسبت میں قدرے فرق آیا تھا کہ فوراً احساس ہو گیا۔ اپنے کو ملامت کرنے لگے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ قریب ہی ایک کسان کھیت جوت رہا تھا آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ”اے عبید اللہ یہ کسان ہل چلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہے تو اتنی ذرا سی بات پر اس سے غافل ہو گیا ہے

— آپ میں ابتداء سے ہی مطلق لہو و لعب کا مادہ نہ تھا جیسا کہ عام طور پر اس عمر کے بچوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی خواجہ محمد اسحاق بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ بچپن میں کھیل کود میں آپ کو بلاتے لیکن اول تو آپ آتے ہی نہ تھے بلکہ ٹال جاتے اور اگر کبھی بہت اصرار سے آتے بھی تو موقع پا کر فرار ہو جایا کرتے تھے

سن طفولیت میں ایک بار شیخ ابوبکر ففال شاشی کے مزار پر تھے۔ خواب میں حضرت

عسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ انہوں نے نہایت شفقت سے اٹھا کر فرمایا کہ ”کیوں غمگین ہوتے ہو تمہاری تربیت میں کروں گا۔“ بیدار ہونے پر اپنے احباب سے اسکی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے تعبیر دی کہ تم کو علم طب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس تعبیر سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر لی ہے کہ حضرت عسیٰ علیہ السلام اسمِ حی کے مظہر ہیں اور اولیاء اللہ میں سے جو بھی صفتِ احیاء ظاہر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس دور کا عیسوی المشہد ہے۔ چونکہ آپ نے اس فقیر کی تربیت اپنے ذمہ لی ہے۔ لہذا اسے مردہ قلوب کو بیدار کرنے کی صفت حاصل ہوگی۔ آپ فرماتے تھے کہ تھوڑی ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حالت و قوت سے سرفراز فرمایا اور بکثرت لوگ میری بدولت پردہ غفلت سے نکل کر حضور و شہود کے مقام پر پہنچ گئے۔

ابتداءً حال میں ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت کے ساتھ ایک بلند پہاڑ کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ آپ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ”مجھے اس پہاڑ کے اوپر پہنچا دو میں نے ارشاد کے بموجب آپ کو اپنی گردن پر بٹھا کر پہاڑ کے اوپر پہنچا دیا۔ آپ نے میری بڑی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تمہاری اس قوت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے۔“

آپ فرماتے تھے کہ میں بچپن میں ڈرتا بہت تھا ایسا کہ تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ ایک رات دل میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت شیخ ابوبکر قتال شاشی۔ شیخ خاوند ظہور۔ خواجہ ابراہیم کیمیاگر اور شیخ زین الدین دعائے عارفان کے مزارات پر حاضر ہوا۔ اس وقت سے خوف ایسا دور ہوا کہ تاشقند کے تمام بزرگوں کے مزارات پر جو ایک دوسرے کافی فاصلہ پر تھے ایک رات میں گشت کر لیا کرتا تھا۔ بعض مزارات تو ایسی جگہ تھے کہ لوگ وہاں دن میں تنہا جاتے ڈرتے تھے۔ ایک رات میں شیخ زین الدین دعائے عارفان کے مزار پر بیٹھا تھا کہ ایک پاگل شخص آ پہنچا۔ یہ شخص بڑا لمبا چوڑا۔ قوی ہیکل و خوفناک شکل کا تھا۔ دن رہا کہ لوگ اس سے ڈرتے تھے اور انہیں دنوں وہ شخص ایک آدمی کو قتل بھی کر چکا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر اس نے ڈرانا اور شور مچانا شروع کیا اور نہایت غصہ سے مجھ سے کہا کہ ”یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور ذرا بھی نہ ڈرا۔ یہ دیکھ کر وہ دوڑا اور درختوں سے لکڑیاں توڑ کر جمع کرنے لگا۔ اسکے بعد قریب کی مسجد سے جلتا ہوا چراغ اٹھایا اس کا ارادہ تھا کہ لکڑیاں جلا کر میرے اوپر پھینک کر مجھے جلا دے۔ اسی دوران اتنی تیز ہوا چلی کہ چراغ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ دیوہیکل دیوانہ میرے گرد صبح تک چٹخا چٹکھاڑتا رہا لیکن میں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ صبح ہونے کے بعد وہ تاشقند کے بازار کی طرف بھاگا اور وہاں پہنچ کر پھر ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر بازار والوں نے اسے گھیر کر قتل کر دیا۔

آپ پر ابتدا میں عسرت و ناداری کا تسلط تھا لیکن مصائب کی برداشت کی قوت رگ و پے میں خون بن کر دوڑ رہی تھی اور فقر فخری کا لباس زیب تن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آزمائش بھی بڑی روح فرسا اور عقیدہ کو متزلزل کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ مرزا شاہرخص کے زمانہ میں ہری میں مقیم تھے۔ اور پیسہ کوڑی تو درکنار صرف ایک پگڑی تھی وہ بھی اتنی بوسیدہ کہ اگر ایک طرف سے پیٹتے تھے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتی تھی۔ اسی حالت میں ایک روز بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سائل سامنے آیا اور دست سوال دراز کیا۔ آپ نے اسے دیکھا۔ اپنی حالت پر نظر کی۔ غیرت ایمانی جوش میں آئی۔ سائل کا خالی ہاتھ جانا کچھ پسند نہ آیا۔ فوراً اپنی پگڑی اتاری اور قریب کے ایک نابھانی کو دے کر کہا کہ یہ پاک پگڑی ہے۔ تمہاری دیگ پونچھنے کے کام آئے گی اسے لیلو اور اسکے عوض اس فقیر کو کچھ کھلا دو اس نے آپ کے اس کہنے پر فقیر کو شکم سیر کر دیا اور آپ کی پگڑی واپس کرنا چاہی لیکن آپ نے نہ لی اور وہاں سے چل دیئے۔

اس افلاس کے دور میں بھی خدمت کا جذبہ کار فرما تھا اور اس تنگ دستی کی حالت میں بھی بجز لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور خدمت کو ہمیشہ ذکر اور مراقبہ پر مقدم رکھتے اور ترجیح دیتے تھے نیز اس کے صلہ کے کبھی طالب نہ ہوتے۔ اس کا جذبہ اور شوق عمر کے ساتھ بڑھتا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ محبوب مشعلہ نواہش کی حد سے نکل کر حیات کا جز و لاینفک بن گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ کتابوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ صرف خدمت سے حاصل کیا ہے۔ ہر شخص کو قیامت کے روز الگ الگ دروازہ سے داخل کیا جائیگا لیکن مجھ کو خدمت کے دروازے سے داخل کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ محبوب کی خدمت مجھ سے ہم آغوش ہے۔



## خدمتِ خلق

آپ فرماتے تھے کہ میں جس زمانہ میں سمرقند میں مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں تھا تو کئی آدمیوں کی جو ایک قسم کے متعدی مرض میں مبتلا تھے خدمت کیا کرتا تھا۔ ان کو پاخانہ پشیاہ تک کا ہوش نہ تھا۔ دن و رات کئی کئی مرتبہ ہر شخص کے کپڑے اوز چھونے خراب ہوتے تھے جن کو میں برابر دھویا کرتا تھا۔ آخر مجھ کو بھی وہی مرض لاحق ہو گیا جو ان کو تھا۔ ایک رات میں تپِ محرقہ (سخت بخلا) میں بہن رہا تھا اس حالت میں بھی کئی گھڑے پانی بھر کر ان بیماروں کے کپڑے اور بستر دھوئے۔ اور جس زمانہ میں سہری میں تھا۔ پیر سہری کے حمام میں جا کر لوگوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ پندرہ سولہ آدمیوں کی ایک ساتھ خدمت کی اور خدمت کرنے میں کبھی اچھے۔ برے۔ آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا۔ اور اسکے قبل کہ کوئی مجھے میری خدمت کا بدلہ دے وہاں سے چپ چاپ چل دیا کرتا تھا۔

## حفظِ ادب

آپ ہمیشہ خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن میں ادب کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ ایک ارادت مند کا بیان ہے کہ میں پینتیس سال آپ کی خدمت کی اور خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہا لیکن اس طویل عرصہ میں آپ کو کبھی کوئی ایسی بات کرتے نہیں دیکھا جس سے دوسرے کی طبیعت مکدر ہوتی ہو۔ آپ نے کبھی سبب یا انگوڑ کھا کر چھلکا منہ سے نکال کر نہیں پھینکا اور نہ بلغم یا رطوبت کو اس طرح کھنکھار کر خارج کیا کہ دوسرے کو کراہت ہوتی ہو۔

## صورت

آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت خواجہ نظام الدین سمرقندی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک حسین جوان آیا جس کا چہرہ انتہائی نورانی اور بارعب و جلال تھا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد میں نے حضرت مخدوم نظام الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ”یہ خواجہ عید اللہ تھے۔ شانِ عام بہت جلد اس کے مطیع (حلقہ بگوش) ہو جائیں گے۔“

ابتداءے حال میں ہری میں قیام کے دوران سید محمد قاسم تبریزی کی خدمت حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ آپ پر بڑی عنایت فرماتے تھے اکثر اپنا پس خوردہ آپ کو عنایت فرماتے اور کہتے ”اے ترکستانی شیخ زادے! جس طرح ہمارے یہ مرید مطیع و فرماں بردار ہیں اسی طرح بہت جلد سارا عالم تمہارا مطیع ہو جائے گا۔“ آپ اس وقت ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر متعجب ہوتے تھے۔ بہر حال ان کا فرمانا پورا ہوا۔

تعلیم۔ بائیس سال کی عمر تھی کہ آپ کے ماموں خواجہ ابراہیم نے آپ کو تاشقند سے سمرقند لاکر تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن علم باطن علم ظاہر کے حصول کے مانع ہوا۔ آخر کار ایسے سخت بیمار پڑے کہ مجبوراً کہنا پڑا۔ ماموں جان! میری حالت آپ دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم ظاہر کا حاصل کرنا میری قسمت میں نہیں ہے اور آپ اسکو پسند نہ فرمائیں گے اور اب تو مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ اگر میں نے زائد زور دیا یا کوشش کی تو کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ آپ کے ماموں آپ کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ جان من۔ میں تمہارا حال اس حد تک نہ جانتا تھا تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جاں دل چاہے جاؤ اور جو دل چاہے کرو۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے۔ آپ پھر دوبارہ منقطع شدہ علمی سلسلہ جوڑنے میں مصروف ہوئے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ عارضہ چشم میں مبتلا ہوئے۔ پینتالیس روز اسی کشمکش میں گذر گئے۔ تنگ آکر اسے ترک فرما دیا۔ چنانچہ اکثر فرماتے تھے کہ ”ہمارے علم ظاہر کا مجموعہ مرنے مصباح کے ایک یا دو ورق ہیں“ ۲۷

۱۷ سید قاسم تبریزی شیخ صفی الدین اردبیلی سے بیعت تھے۔ ان کے بعد شیخ صفی الدین ہمنی خلیفہ شیخ احمد الدین کرمانی سے اخذ فیض کیا۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ نعمتیں ہے کہ اہل رد و انکار کے آپ کے بارہ میں دو گروہ تھے ایک گروہ آپ کو شاعری سمجھتا اور دوسرا گروہ (مریدین) موصد۔ آپ پر مشرب توحیدی غالب تھا۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی بھی صحبت حاصل کی تھی ایک بار ہرات کی جامع مسجد میں ایک شخص نے بادشاہ کے تلوار ماری۔ آپ کانگر خانہ اس کے متصل تھا لوگ سمجھے کہ غالباً اس میں سید صاحب کا بھی ہاتھ ہے لہذا آپ شہر بدر کر دیے گئے۔ آپ پہلے بلخ اور پھر سمرقند چلے گئے۔۔۔ آپ نہایت عالی ہمت تھے۔ دوستوں کی تکلیف سے جلد متاثر ہو جاتے تھے۔ کسی شخص کے بارہ میں اگر سن پاتے تو بیقرار اور مضطرب ہو جاتے اگر خود عیادت کو نہ جاپاتے تو طلزمین و خدام کو اسکے پاس بھیجتے اور ان کے ذریعہ تسلی و تسفی نیز امداد بھی کرتے تھے۔ خواجہ صاحب آپ سے بہت متاثر اور معترف تھے ۱۸ میں وفات پائی۔ آپ کا مفصل حال ریشات و نجات الانس میں مذکور ہے

(بحر زخار جلد دوم صفحہ ۷) ۲۷ ریشات ۱۲۹

کسی علوم سے تو ضرور نا بلند رہے لیکن علم ظاہر دہی اور تہذیبی قدم پر رہبر بار اکثر دورانِ درس۔  
 علمی مباحثہ۔ نیز تفسیر قاضی کے مطالب پر اکابر علماء سے ایسے ایسے سوالات پوچھ بیٹھتے کہ وہ دنگ او  
 متحیر رہ جاتے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔

**ایشیاء و شفقت و عنایت:** حضرت میر عبد اللہ جنہیں آپ سے علاوہ نسبت ارادت و خادمت  
 کے واداری کا شرف بھی حاصل تھا اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ ایک بہار کی ابتداء میں خدام کی ایک  
 جماعت آپ کی معیت میں "گٹن" روانہ ہوئی۔ شام کے وقت ایک پہاڑ پر قیام فرمایا۔ خدام نے خیمہ  
 نصب کیا۔ مغرب کی نماز پڑھی تھی بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا مجھے اس خیمہ طہارت پر شک ہے۔  
 میں خود اس میں نہیں رہوں گا لیکن اور لوگ قیام کریں۔ اس سلسلہ میں عنایت فرماتے ہوئے بہت زور

عہ آپ نیشاپور سے آکر ماہِ ابراہیم میں خواجہ احرار اولیاء کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ اور پھر آپ کی ملامت اختیار  
 کر کے تعلیم باطنی حاصل کی۔ نیشاپور کی تعلیم کے دوران مولانا حسین واعظ کاشفی کے ہم سفر اور مجتہد رہے۔ مولانا حسین کے  
 بیٹے مولانا فخر الدین علی صفی لکھتے ہیں کہ آپ سابقہ پدمری شناسائی کا خیال کر کے میرے ساتھ کال توجہ فرمایا کرتے تھے۔  
 جب آپ خواجہ ملازمت سے سرفراز ہوتے تو سات برس کا من ریاضات و مجاہدات میں صرف کر لیں حضرت  
 خواجہ ان کے حال پر نظر مطلق نہیں ہوتے۔ اس دوران آپ ہر قسم کے دکھ درد جو صادق درد مندوں کا حصہ ہے  
 برداشت کیا کرتے تھے اور مہر و تحمل و توکل اختیار کرنے ہونے اپنا عقائد کو درست رکھتے تھے جب قوت برداشت  
 جو اب رہے گئی تو نہایت غمگین اور افسردہ ہو کر اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئے۔ سر اور منہ نگلی سے چھپا لیا۔ اور اپنے  
 آپ پر لعنت ملامت کرنے لگے کہ "اے عبد الاول اس دنیا میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو دلایت و قرب کی دولت  
 بے بہرہ ہیں۔ تو بھی انہیں میں شامل ہو جا۔ جفا اور محنت کے برداشت کرنے میں جس قدر انسانی طاقت تھی۔ وہ تو کام  
 میں لاپچکا۔ لیکن کوئی کسود کار نہ ہوا۔" (نتیجہ کچھ نہ نکلا) اسی قسم کی پشیمانی کے باتیں کرتے ہوئے ایک لحظہ بھی نہ گذرا تھا کہ جڑ  
 میں پاؤں کی آہٹ ہوئی۔ چونکہ آپ دریائے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آہٹ کی طرف منوجہ نہ ہوتے۔ لہذا ایک پیر بزرگوار  
 کی آواز سنائی دی کہ "عبد الاول! آرام سے سو۔ تمہارے سب کام پورے طور پر درست ہو گئے ہیں۔ آپ یہ آواز سن کر  
 مضطرب نہ اٹھے۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ تہذیب سے باہر تشریف لائے جا رہے ہیں آپ عاشقوں کی طرح بیتاب اور مضطرب ہو گئے۔ اس  
 کے بعد راد طلب میں دوبارہ استقامت اور یوں صدمے زیادہ نصیب ہوا اور اسی سبب سے ماہِ ذی الحجہ ۱۰۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی



حضرت مولانا نظام الدین خاموش سیر فہرست ہیں۔ جن کی ہمہ وقت صحبت سے آپ زائد متاثر ہوئے آپ جب کبھی خراشان کے مشائخ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ ”مجھے جو بات شیخ بہار الدین عمر میں نظر آئی وہ کسی دوسرے میں نہ نظر آئی۔ ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر شخص سے اس کے مزاج اور مذاق کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اپنے کو اسکے مقابلہ میں ممتاز نہیں کرتے لہ

نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر میں سید قاسم تبریزی سے زائد بزرگ شخصیت کسی کی نہ دیکھی۔ اس دور کے تمام مشائخ کی خدمت میں رہا اور ہر ایک کی نسبت دیکھی لیکن جو بات سید قاسم کی نسبت میں پاتی وہ کسی میں نہ پاتی۔ اور اسے پھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو یہ نظر آتا تھا کہ ساری کائنات ان کا طواف کر رہی ہے۔ پھر ان میں داخل ہوتی ہے اور گم ہو جاتی ہے

مولانا نظام الدین خاموش خواجہ علاء الدین عطار کے جلیل القدر اصحاب میں تھے۔ آپ میں جذبی و استقرانی کیفیت بہت طاری رہتی تھی۔ فرماتے تھے کہ خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت میں حاضری سے قبل ہی ریاضات و مجاہدات کر چکا تھا جسکی وجہ سے خوراق عادات بہت ظاہر ہوتے تھے ایسا کہ اکثر اوقات بعض ان مساجد میں جن میں قفل بند رہتا تھا جانے کا ارادہ کرتا تو فوراً قفل خود بخود کھل جاتا تھا۔ جب خواجہ علاء الدین عطار کی سمرقند تشریف آوری کی خبر سنی تو شدت سے ذوق حاضری پیدا ہوا۔ حاضری سے قبل مولانا ابو سعید سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ مولانا تم نہایت عقیف اور پاکیزہ ہو۔ کیا ان زہد اور پاکیزگیوں سے گذر نے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ میری طبیعت یہ سن کر یک گونہ منقض ہوئی۔ جب خواجہ علاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بھی وہی الفاظ دہرائے لیکن مجھ کو آپ کے اس فرمانے پر ذرہ برابر گرائی یا ناگواری محسوس نہ ہوئی بلکہ جو انقباض مولانا ابو سعید کے فرمانے پر پیدا ہوا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ چالیس سال سے مجھے حاجت غسل نہ ہوئی۔ اور اس کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز روحانیسین کی ایک جامعیت اتری اور کہا کہ تم کو اس بات کا خور خیال رکھنا چاہیے کہ احتلام ہو (پاکیزگی جسم کا خور پاس و سخا رکھنا چاہیے)

کیونکہ ان نفسانی تقاضوں سے تم کو بہر حال واپس لوٹنا ہے۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اس بات کا خاص خیال رکھا۔ حالانکہ آپ متاہل تھے (بال بچے دار تھے) ”آں گوشوارہ کرامت کبریٰ۔ آن طاق ولایت صغریٰ۔ آن جام و صحت کوش۔ حضرت مولانا نظام الدین خاموش از افضل اصفیاء کبر اتقیائشانے عظیم و عظیم بلند و خدا طلبی داشت) ”مجززہ فار“ جلد ۲ صفحہ ۶۶ مفصل حال کے لیے ملاحظہ ہو۔ رشمات و نجات الانس

وہ اکثر اپنا پس خوردہ آپ کو یہ کہہ کر عنایت فرماتے کہ "اے شیخ زادہ ترکستان! جس طرح ہماری  
مطیع فرمانبردار ہیں اسی طرح (ایک وقت ایسا لگے گا) کہ سارا عالم تمہارا مطیع و فرمانبردار ہو جائے

گا

ایک بار دورانِ حاضری سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ بابو! تمہارا کیا نام ہے (ان کی یہ عادت  
تھی کہ اکثر لوگوں کو بابو کہہ کر مخاطب فرماتے تھے) آپ نے عرض کیا عبید اللہ! انہوں نے فرمایا کہ تم کو اپنے  
نام کی تحقیق ضرور کر لینا چاہیے۔ آپ کے غلص و غلیفہ خاص مولانا محمد قاضی اسکی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اسم  
کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ تم اس بات پر غور کرو کہ کس اسمِ حق کے منظر ہو تاکہ اسی کے مطابق اس کی  
عبادت کر سکو۔ پھر لکھتے ہیں کہ راقم کے دل میں جو آیا وہ یہ ہے کہ اسم کی تحقیق سے یہ مراد ہے کہ وہ اسم  
تمہارا امرتی اور تمہاری حقیقت اس اسم کا منظر ہے۔ اور تمہارے تمام امور اسی سے وابستہ ہیں۔ اور اس اسم  
کے ساتھ متحقق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی حقیقت ایسی آئینہ ہو جائے کہ وہ اسم تمام لوازمات کے  
ساتھ کامل طور پر اس میں تجلی ہو جائے اور اس کے منظر سے بروہ کمال ظاہر ہو۔ اور وہ خود اس تجلی کے  
آثار و احکام کے ظہور میں فنا و مستغرق ہو جائے (یعنی ہر شخص ذات و صفات کے اسم میں سے کسی نہ کسی  
اسم کا منظر ہوتا ہے اور اسی اسم سے اسے فیض حاصل ہوتا ہے) ۲

آپ فرماتے تھے کہ مجھے سمرقند میں (قیام کے دوران) حصہ ہو گیا تھا۔ قدرے بہتر ہوا تھا۔ لیکن  
تعاہت حد سے زائد تھی۔ مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں پڑا ہوا تھا۔ اچانک مولانا سعد الدین کاشغری  
آئے اور فرمایا کہ تم کو ایک خوشخبری ہو۔ سید قاسم تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ اتنی بھی قوت  
نہ تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکنا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں مجھ میں تو ابھی اتنی قوت ہے  
نہیں کہ آپ کی خدمت میں نہ ہو سکوں۔ روز بعد جب میرے اتنی طاقت آگئی۔ تو شیخ ابوالیث کی خانقاہ آیا جہاں

۱۵ ایفا ۱۲۴ ایفا ۱۳۰ - ۱۳۱ چھوٹے چھوٹے دانے بڑی جلیں دانے جو آدمی کے جسم میں نکلتے

ہیں۔ فارسی میں اسکو سُرُخِ کَبْتِیہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی چمک ہے مگر خوفناک نہیں ہے۔ کشوری ۱۵۲۔

آپ بغرض حمام تشریف فرما تھے۔ میں آپ کے انتظار میں باہر کھڑا رہا۔ تھوڑی بعد آپ حمام سے باہر تشریف لائے اور تختِ رواں (پالکی یا میاں) پر بیٹھ گئے جس کو چار آدمی اٹھاتے ہوئے تھے۔ اتفاقاً اس وقت ایک شخص موجود نہ تھا لہذا ایک پایہ میں نے تھام لیا اس کا اٹھانا تھا کہ میں ڈہرا ہو گیا اور اٹا جھک گیا کہ قریب تھا میری ناک زمین سے لگ جاتے اور تختِ رواں میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔ میں یہ صورتحال دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ اور فوراً آپ کی جانب متوجہ ہوا۔ اس توجہ سے مجھ میں اتنی قوت آگئی کہ تختِ رواں کو امیر شاہ ملک کے پھاٹک تک لے چلا گیا۔ سید صاحب کے مریدین کو میری کمزوری اور حالت کا پورا علم تھا۔ یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ ”اب تم انسانِ کامل کے زمرہ میں آگے ہو کیونکہ حاملِ بارِ امانت ہو گئے ہو“۔ اے

سیر و سیاحت - آپ کچھ عرصہ سمرقند میں رہے پھر وہاں سے بخارا روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں شیخ سراج الدین <sup>ؒ</sup> پر مسی کے وہاں ایک ہفتہ قیام فرمایا۔

۱۳۲۲ھ

۱۳۲۲ھ شیخ سراج الدین کمال پر مسی پر مسی میں پیدا ہوئے (پرس قصبہ واکینی کا ایک گاؤں ہے وہاں سے شہر بخارا تقریباً ۴۰ میل ہے) ابتدائے حال میں امیر حمزہ فرزند امیر کللال کے مرید ہوئے لیکن آخر میں خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابتدائے حال میں امیر حمزہ کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات کئے۔ اسی دوران ایک روز غیبت طاری ہوئی تین شبابینڈ بے خود (بے سدھ) - مرشد <sup>پڑھے</sup> سرتق کو جب ان کی کیفیت کا علم ہوا تو فرمایا کہ ان کے کان میں کہو کہ امیر حمزہ کہہ رہے ہیں جس جگہ تم پہنچ گئے ہو وہاں سے پلٹ آؤ۔ جیسے ہی یہ آواز کانوں میں پہنچی فوراً ہوش میں آئے خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں سمرقند سے بخارا کی جانب چلا تو راستہ میں سراج پر مسی کا گاؤں پڑا۔ میں وہاں حاضر ہوا۔ آپ نے بہت عنایت و توجہ فرمائی اور بہت چاہا کہ ان کے پاس رہ جاؤں۔ لیکن دل نے گوارا نہ کیا۔ جب میں نے رخصت چاہی تو فرمایا کہ یہاں کی بھی سیر کرو خراسان و عراق سب جگہیں تو تم گھوم چکے ہو۔ میں رک گیا۔ پھر تین روز بعد بخارا چلا گیا

اپنے تین روزہ دوران قیام ان کے احوال کا خوب جائزہ لیا۔ دن پھر آپ کسگری کرتے تھے اور رات بھر ایک پہلو سے بیٹھ رہتے تھے ایک روز مجھے فرمایا کہ مجھ سے اور شیخ ابو الحسن عشقی کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یہ خیال آیا کہ ان کو مرید کہوں۔ وہ اس بات کو سمجھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اے شیخ آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے ہم شیخ ابو الحسن کی محبت میں گلے گلے تک پڑیں کہ اب کسما دوسرے کی گنجائش نہیں ہے بھگے اس بات سے بڑی شرم آئی اور ان کے باطن میں ایک ایسا تصرف کیا کہ سب کے سب گریہاں چاک کر کے زمین پر روٹنے لگے اور تا دیر پہوش پڑے رہے۔ جب میں نے دوبارہ تصرف کیا اور وہ ہوش میں آئے تو نہایت معتقد اور نیاز مند ہو گئے۔ میں نے کہا کوئی سحر نہیں۔ میرے اور تمہارے شیخ ابو الحسن عشقی ایک ہی برتن سے پانی پیتے ہیں (رشتحات ۳۸-۳۹)





اور شیخ زین الدین اور ان کے اصحاب کے قول کی تائید میں دلائل دینا شروع کئے۔ جب آپ نے غور کیا تو سب دلائل سید قاسم اور ان کے متبعین کے قول کی تائید میں تھے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ دلائل تو سید قاسم کی بات کی تائید کرتی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اس سے زائد قوی دلائل دینا شروع کئے۔ لیکن وہ سب بھی سید قاسم ہی کے قول کی تائید میں تھے۔ اس وقت آپ کے دل میں آیا کہ (اس کا مطلب یہ ہے) باطن میں سید قاسم کے قول کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور ظاہر میں شیخ زین الدین کے قول کا۔ (یعنی توحید و جود کا اعتقاد رکھے اور توحید شہودی کا اقرار کرے)

توحید و جود کا مسئلہ کوی علمی اور استدلالی مسئلہ نہیں ہے جو سمجھایا جاسکے بلکہ ایک ذوقی۔ وجدانی کشفی اور روحانی لذت ہے۔ ذوق این مے نہ شناسی بخدا تاشہ حسی۔ یہ الٹا پھیر صرف لفظوں کا ہے ورنہ وجود شہور ہے اور شہود وجود۔ شہود ہو ہی نہیں سکتا جب تک وجود نہ ہو اور وجود کا تصور ناقص اور ناقابل فہم ہے جب تک شہود نہ ہو۔ قرآن پاک کا یہ علی الاعلان بیان اللہ نور السموات والارض وحدت الوجود کا بین ثبوت نہیں تو اور کیا ہے سید سلیمان ندوی فرماتے تھے کہ تم وحدت الوجود کو قال سے سمجھنا چاہتے ہو لیکن یہ تو حال ہے پھر کیسے تمہاری سمجھ میں آسکتا ہے۔“

ذات جس طرح صفات سے الگ نہیں اسی طرح وجود شہود کا غیر نہیں۔ وحدت میں تفریق اور تفرق کیسا۔ ایک ذات ہے جس کے لاتعداد اور لاتحصری مظاہر ہیں جن میں سے کچھ نگاہ ظاہر میں ہیں فی الحال ہو یا ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جو ابھی تک نگاہوں سے اوچھل ہیں۔ اور کیا معلوم کب منصفہ شہود پر آجائیں۔ ابتدائے تاریخ تصوف میں توحید کے تصور میں یہ تفریق نہ کبھی پیدا ہوئی نہ اس کی کبھی ضرورت پڑی کیونکہ ذکر الہی لا الہ الا اللہ دونوں کو زندہ کرنے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ ان موشگافیوں کی صوفیائے کرام کو نہ فرصت تھی اور نہ جنگی چنداں ضرورت تھی۔ مظاہر فطرت شہود ہیں اور حق من حیث الحقیقت وجود۔ جیسا شاعر نے کہا ہے

حرم و دیر کے جھگڑتے پیچنے سے پڑے تو اگر پردہ اٹھادے تو تو ہوا تو ہو جائے

لہذا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں بجائے جھگڑا ڈالنے کے اور ان کے فرق و تفریق کو منطقی استدلال سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط سمجھنا اور کہنا دراصل ایک فریب خورد ہے۔ اور فریب خورد میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ حسن ازل کی (جو مستور ہے) لقائے زیبائی خواہش میں زندگی کو وقف کر دیا جائے تاکہ زندگی

بیشتر زندہ رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے شریعت کے غلبہ کے باعث یہ فرق عموس کیا لیکن شریعت و طریقت جداگانہ شے نہیں ہیں۔ شریعت ہم پر ہے اور طریقت ہم میں ہے۔ بیٹے ایک کا تعلق ظاہر سے ہے اور دوسرے کا باطن سے۔ شریعت رسول کے نفس کا عمل اور طریقت روح کا عمل ہے۔ نہ ظاہر باطن سے الگ ہو سکتا ہے اور نہ باطن ظاہر سے۔ جب شہباز طریقت کو یہ دونوں شہپر پیسے مورتے ہیں تب وہ رموز تنہائی کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی کو بقا بعد الفنا کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے باطن پر خدا کی ہستی کے ظہور کا غلبہ ہو تو خدا کے سوا کسی شے کا علم و شعور باقی نہ رہے اور فنا الفنا یہ ہے کہ اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔ اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ”فنا اس حال کا نام ہے جس میں انسان مشاہد ذات حق میں ایسا محو ہو جائے کہ کائنات اس کی نظر میں معدوم ہو جائے۔ اور بقیہ ہے کہ انسان ایسا کمال حاصل کرے کہ حق کو خلق میں دیکھے اور خلق کو حق میں اس طرح کہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کے مانع نہ ہو۔ یہی مقام انسان کامل اور فلافت الہیہ کا ہے۔“

آپ فرماتے تھے کہ جب میں ہری گیا اور حل دختران پہنچا تو ایک حسین تاجر کو دیکھا کہ ایک رانے کے دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے میں یہ سمجھا کہ ذکر طریقہ خواجگان میں مشغول ہے۔ میں نے اس سے پچھا کہ یہ طریقہ تم نے کس بزرگ سے سیکھا ہے۔ کہنے لگا کہ بلقوی میں ایک بزرگ ہیں جو حضرت خواجہ بہاؤ الدین غزنوی کے خلیفہ ہیں اور ان کا نام مولانا یعقوب چرنی ہے اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگا۔ آپ کو یہ شوق ملا کہ ملاقات پیدا ہوا اور فرزا بلقوی کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب چغانیوں کے ملک پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں نے آپ کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے شکوک پیدا ہو گئے۔ عقیدہ مترزل ہو گیا اور حاضری میں کاوٹ

پیدا ہو گئی۔ اسی دوران آپ کو بخارا آ گیا جس کی وجہ سے مزید تاخیر ہو گئی۔ بیس روز بخار میں مبتلا رہے اس عرصہ میں وہ خیالات اور پختہ ہو گئے، لیکن اس سب کے باوجود بادیہ شوق کے مسافر کے جذبہ اشتیاق میں کوئی ایسی ہی مخفی کشش و دلچسپی جو العطش العطش کا نعرہ لگاری تھی اور یہی وہ چیز تھی جو حقیقت کے انکشاف کیلئے نور بصیرت کی متلاشی تھی۔ بہر حال جذبات عالیہ نے نسیب الصراط الابلجذبہ سے رہبری کی اور مشعل ہدایت کا کام دے کر مقصود حقیقی کی شاہراہ کی جانب روانہ کر دیا۔

۱۱۔ حضرت مولانا یعقوب چرنی غزنین کے ایک گاؤں چرخ کے رہنے والے تھے۔ اور ریشمات، "میں لکھا ہے کہ چرخ" حصار کا ایک گاؤں تھا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کے خواستگار ہوئے۔ انہوں نے سبب دریافت فرمایا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضور بزرگ اور مقبول خلائق ہیں۔ فرمایا تمہارے پاس کوئی اور دلیل نہیں ہے ہو سکتا ہے تمہارا یہ خیال شیطانی و سوسہ ہو۔ عرض کیا کہ حدیث صحیح ہے کہ "اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرما دیتا ہے" آپ مسکرائے اور فرمایا ہم ان مجبولوں میں نہیں ہیں۔ جب آپ نے شدت سے اصرار کیا تو فرمایا کہ میں خود سے کسی کو مرید نہیں کرتا لہذا بیخوار شاہی تم کو قبول نہیں کر سکتا۔ آج شب منظر رہوں گا کہ غیب سے کیا اشارہ ہوتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اس رات کی کیفیت کیا تھاؤں وہ مجھ پر کیسی سخت گزری۔ جب صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا مبارک ہو۔ تمہیں قبول کرنے کی بشارت دی گئی ہے پھر آپ کو بیعت سے مشرف فرما کر دو قوف عدوی (طریقہ نقشبندیہ کا ایک مشغل) تعلیم فرمایا۔ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہے اور خلافت رشد و ارشاد و اجازت سفر حاصل کر کے بدخشاں گئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اخذ کئے۔ ان کی حیات بھران سے علمی رہ نہ ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مسند ارشاد و تلمیذین پر متمکن ہو کر ایک عالم کو اپنے فیوض باطنی سے مالا مال کیا۔ صاحب "بحر خارا" آپ کے بارہ میں ان الفاظ سے رقم طراز ہیں۔

"آں قبلہ کاملین اعظم۔ آن کعبہ موحدین معظم۔ آن در کالات نظیر خواجہ معروف کرخی قطب العالم حضرت خواجہ یعقوب چرنی۔ مقتدرے عاشقان پیشوائے واصلاں۔ در زہد و در ع و ریاضت و کرامت بس زہد رفیع را مالک بود۔"

(بحر خارا جلد دوم صفحہ ۱۰۶) آپ کا مفصل حال ریشمات و ریشمات الانس میں تحریر ہے۔

عشق کے واردات کا علمی جامہ پہننے کا وقت آگیا تھا اور آپ اسکی دست و گہرائی میں جانے کے لئے

## مرشد برحق کی خدمت میں حاضری

مضطرب اور اس مجمع البحرین کے موتی نکالنے کیلئے پچھین تھے۔ اسی شوق و ذوق اور تلاش و جستجو، نے ملکوں کی خاک چھنوائی۔ بادیہ گردی کے مزے چکھائے صحرا صحرا آبلہ پانی کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا لیکن بیقرار دل کسی پر غم نہ سکا اور ان کی نگاہ بخشش میں ہی کہتی رہی اس

بشر ستارہ جویم ز ستارہ آفا بے سہر منزلے نہ دارم کہ بمیرم از قرارے  
 قاید تقدیر نے نہ صرف اس کبریت احمر کا راستہ دکھایا بلکہ اپنی رہبری میں ان کے قلبی فکر و نظر کے تقاضوں کو حصول مدعا کا ذریعہ بنا دیا یعنی اس ہستی کے روبرو پہنچا دیا جس نے اپنی آغوش تربیت میں لیکر اپنی شرف نگاہی سے جلوۂ طور کا مشاہدہ کرایا اور ان کے جذبہ شوق کو ملاحظہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اس  
 ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سروسمن درآ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا پچمن درآ  
 ز کس مستانہ کی سحر طریاں اور بادہ عرفان کی سرمستیاں رنگ لائیں اور آپ بہ زبان حال  
 پکاراٹھے

مجھ پہ جادو یہ چلایا کس نے مجھ کو دیوانہ بنایا کس نے

میں تھا آسودہ خواب غفلت مجھ کو سوتے سے جگایا کس نے

ناز و نیاز کی ہم آہنگی اور نسبت جتنی نے تمام سابقہ نسبتوں کو معدوم کر دیا۔

بنگاہوں کے نامہ و پیام کے بعد ظاہری اور دستی عہد و پیمان کی بھی ضرورت محسوس ہوئی اور ایک روز دست بدست دگرے کے مصداق بن گئے۔

ہو موسیٰ بھی ہوں تو بھی اتباعِ خضر لازم ہے۔ ہدایت منحصر ہے اتباعِ شیخِ کامل میں

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب آپ مرشدِ کامل کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو کر چچانیا

پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کی زبانی آپ کے سلسلہ میں کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے عقیدہ متزلزل

ہو گیا اور مختلف قسم کے شکوک پیدا ہو گئے۔ کئی روز اسی کشمکش میں گزرے (میں بھی جاذبہ آڑے آیا۔ دل نے کہا کہ تم نے اتنی دور دراز کا سفر جو کیا تو کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ان سے ملاقات کئے واپس جاؤ دریاں حالیکہ کشتود کار انہیں پر منحصر ہے۔ آپ اس آواز پر لبیک کہہ کر روانہ ہوئے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس دن بڑی عنایات و نوازشات فرمائیں۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ گئے۔ جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو بر خلاف گذشتہ روز کے نہایت سختی و درشتی سے پیش آئے۔ آپ کو فوراً خطرہ آیا کہ آپ کا یہ برتاؤ اور سلوک یقیناً میرے اس دن کی غیبت سننے اور جو شکوک میرے دل میں پیدا ہو گئے تھے ان کی وجہ سے ہے۔ گو کہ آپ نے اس کی وضاحت نہ فرمائی لیکن اتنا فرمایا کہ کسی کا کسی کے پاس مہینہ دو مہینہ تک نہ جانا اس سے بہتر ہے کہ کسی کی غیبت سننے (یعنی تم نے وہ غیبت سنی ہی کیوں) ان کے اس فرمانے پر آپ کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ غضب اسی غیبت سننے کی وجہ سے تھا چنانچہ آپ منتہی ہو گئے۔ پھر گذشتہ روز کی طرح بڑی عنایات فرمائیں اور خواجہ بہار الدین قدس سرہ کی خدمت میں اپنی حاضری اور ملاقات کی کیفیت بیان کی اور اپنا دست مبارک بڑھایا اور بیعت ہو جاؤ۔ آپ ان کے اس اچانک اقدام پر متامل ہوئے کیوں کہ ان کی جین مبارک پر آپ کو ایک سفید داغ نظر آیا جو بیعت کے مانع ہوا۔ مرشد برحق فوراً آپ کے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور نہایت حسین و جمیل شکل میں نمودار ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ حجابات شکوک چشم زدن میں کافر ہو گئے۔ مرشد کامل کی ہر ادا یہ کہتی ہوئی نظر آئی کہ

بدگماں ہو کے بل اسے دوست جو ملنا ہو تجھے نے جھکتے ہوئے ملنا کوئی ملنا بھی نہیں  
 آپ نے یہ دیکھ کر بے اختیار نہ دست مبارک تمام لیا۔ انہوں نے آپ کی بخودی ملاحظہ فرما کر  
 ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ بہار الدین نے جب میرا ہاتھ پکڑا تھا تو فرمایا تھا کہ ”تمہارا ہاتھ عین میرا ہاتھ  
 ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا لہذا تم حضرت خواجہ بہار الدین کا ہاتھ پکڑ لو۔ آپ  
 نے یہ سن کر بلا توقف دست مبارک تمام لیا۔ مرشد برحق نے تعلیم باطنی فرمائی اور لفظی اثبات کا  
 وہ طریقہ جسکو ”وقوف عددی“ کہتے ہیں تعلیم فرمایا۔

## ہدیہ قبول نہ کرنا

آپ نے اپنی ابتدائے عمر سے لیکر آخر تک کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کیا۔ مولانا احمد کاریزی نے

(جو ایک بزرگ آدمی تھے اور حضرت مولانا سعد الدین قدس سرہ سے تعلیم پائے ہوئے تھے) ان کی وفات کے بعد ایک نہایت بیش قیمت لباس سفید جامہ والا اپنے ہاتھ سے بنا کر کاریزی سے تحفہ سحر قند بھیجا اور اس کے پہننے کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا "یہ لباس پہنا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے بوئے صدق (خلوص) آتی ہے لیکن چونکہ میں نے کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا ہے لہذا اس سلسلہ میں معذوری ہے۔" پھر وہ ہدیہ کاریزی واپس بھیج دیا۔ لے ایک روز آپ شہر سے چند کوس کے فاصلہ پر ایک صحرا سے گذر رہے تھے اور خدام کی ایک جماعت سوار و پیادہ آپ کی بالکی کتے پیچھے پیچھے تھی۔ شدید لُوہ چل رہی تھی۔ اچانک دور پر چند گھروں کا سایہ دکھائی دیا۔ اتنے میں چند آدمی ادھر سے آتے دکھائی دیئے۔ ان کے پاس کوئی چیز تھی۔ وہ بہت تیز تیز قدموں سے آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کا سردار اپنی گردن پر ایک سیاہ فرہ بکری لادے ہوئے تھا اور دوسرا شخص ایک بہت بڑی لکڑی کا پیالہ دہی سے بھرا ہوا لایا۔ اس نے یہ دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھ کر نیاز منداۓ عرض کیا کہ یہ حضور کی نذر ہے اسے قبول فرمائیں اور حضور حضور کے ملازمین و خدام اسے نوش کریں۔ یہ دونوں حلال اور پاک چیزیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کسی کا ہدیہ یا نذر قبول نہیں کرتا۔ ہاں جو دہی تم لائے ہو وہ لیلوں کا لیکن اسکی قیمت تم کو لینا پڑے گی۔ اس نے کہا کہ دہی کی اس صحرا میں کوئی قیمت نہیں اور نہ اسکی کوئی قدر ہے۔ آپ نے فرمایا "میں کوئی چیز مفت نہیں لیتا اور یہ فرما کر اپنے خادم کے ذریعہ ایک اشرفی اسے دلوائی۔ پھر اسے نوش کیا اور اسکے بعد تمام سواروں اور پیادوں نے پیا اور روانہ ہو گئے۔"

## نیاز مندی

آپ فرماتے تھے۔ ابتدا میں میرا حال یہ تھا کہ باطن پر نیاز مندی ایسی غالب تھی

کہ آزاد غلام۔ سفید۔ سیاہ۔ چھوٹا اور بڑا جو بھی میرے سامنے آتا میں اپنا سر اس کے قدموں

پر رکھتا اور اس سے دعا و توجہ کی درخواست کرتا۔ ۳۷

مرشد برحق آپ کی کسبی اور وہی صلاحیتوں

## مرشد برحق کی نگاہ میں مقبولیت

کے باعث بہت مہربان رہے اور اسی چیز نے

۱۲۵ ۱۲۵ ایضاً ۱۲۵ ۱۲۵ رشحات ۱۲۳

آپ کو طبعی یکسوئی کی جانب گام زن رکھا اور مرشد برحق سے ایک ایسی احسانی نسبت پیدا ہو گئی کہ تصنیف و ترکیب و جلالت باطنی کے اسباب خود مہیا ہوتے گئے اور آپ "پیش مرد کلے یا مال شو" کا نقش ثانی بن گئے۔

**اعتماد کلی اور رسوخ** | آپ کو مرشد برحق کی خدمت میں جو اعتماد کلی اور رسوخ حاصل ہوا اور دوسرے کو حاصل نہ

ہو سکا۔ مرشد برحق اکثر مواقع پر حاضرین سے اسکا برملا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی اپنی کتاب "نفحات الانس" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی مقبولیت کا اندازہ مرشد کامل کے اس قول سے ہوتا ہے کہ "جو طالب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو وہ عبید اللہ کی طرح حاضر ہو۔"

**زرعت** | عرصہ تک مرشد برحق کی خدمت میں رہے اور توجہات و فیوضات مرشدی سے مالا مال پھر وقت نے کروٹ بدلی اور کاد الفقر ان یکنون کفر کی تعلیم پاکر دولت و ثروت سے نوازے گئے۔ اسیسویں سال آپ اپنے وطن تاشقند واپس تشریف لائے۔ کچھ زمین آپ کے پاس آبادی تھی اور کچھ زمین چھوٹے پیمانہ پر لیکر کاشتکاری شروع کی۔ قدرت نے رہبری کی اور قلیل عرصہ میں وافر آمدنی ہونے لگی۔ آپ خود کام کی نگرانی فرماتے۔ آب پاشی اور دیکھ بھال کرتے۔ باغبانی اور زراعت سے آپ کو ہزار ہا روپے کی آمدنی تھی لیکن دولت کی یہ ریل پیل محض فخر و مباہات اور عیش و آرام کے لئے نہ تھی۔ خلق خدا اس سے مستفید ہوتی۔ حاجتمند لوگ اس فائدہ اٹھاتے۔ محتاج اور مفلس اپنی ضروریات پوری کرتے۔

**شمول و عنایت** | رشحات کے مصنف جب پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی مالی حالت دیکھ کر شکر شد درہ

سہ عجب اتفاق ہے کہ رشحات کے مصنف ملا فخر الدین علی بن واظ کا شفیق اگرچہ حضرت خواجہ کے مرید نہ تھے لیکن عقیدت و محبت ان سے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب رشحات تصنیف کرنے لگے تو کتاب مذکور کے بیشتر صفحات آپ ہی کے حالات اور ثنا و صفت سے بھر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب صرف آپ ہی کے حالات میں تصنیف فرمائی ہے۔ آپ خواجہ کلاں ابن سعد الدین کاشغری سے بیعت تھے اور ان سے نسبت نوشی بھی حاصل تھی (یعنی ان کی پوتی منسوب تھیں)۔

پھر مولانا عبدالغفور لاری کی خدمت میں آکر تجدید بیعت کی۔ گویا ہر دو بزرگان گرامی منزلت کے نظر یافتہ رہے۔ جب خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور انفرادی حیثیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ پہلی ہی ملاقات میں ہوٹس و ہواس کھو بیٹھے اور نسبت حقیقی نے ایسا اثر دکھایا کہ آپ کے فضائل و مناقب کا دم بھرنے لگے۔ ذیقعدہ ۸۸۹ھ کے بعد کا عرصہ دوسری حاضری کی تمنا میں گذرا اور جب اس تمنا کی چار سال بعد اوائل ربیع الآخر ۸۹۳ھ میں تکمیل ہوئی تو

بقیہ اگلے صفحہ پر

گئے۔ رشحات میں صفحہ ۱۲۶ پر آپ کی فارغ البالی اور معمول کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ  
 "مال منال فیاء و عقار و کلامہ و مواشی و اسباب یعنی آپ کا مال و دولت۔ جاگیریں۔ مولیٰ اور  
 و املاک حضرت ایشاں از حد و اندازہ افزون بود و محیطہ و خا<sup>ب</sup>  
 دائرہ شمار بیرون۔" و شمار سے باہر تھا۔

پھر لکھتے ہیں کہ جب میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے ضلعداروں اور کارکنوں سے معلوم  
 ہوا کہ آپ کے تیرہ سو فارموں سے زائد ہیں اور مزید چند فارم آپ نے خریدے ہیں۔  
 مولانا عبدالرحمن جامی جو آپ کے مخصوص معتقدین میں تھے اپنی کتاب "یوسف زلیخا" میں آپ  
 کے اسی غنا و ثمول کی خبر دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

ہزارش مزرعہ در زیر کشت است کہ زاد رفتن را بہشت است

بقیہ عاشیہ گذشتہ شدت جذبات میں قلبی واردات نہ روک سکے اور وہ قلب کی گہرائیوں سے نکل کر بے اختیارانہ زبان پر  
 جاری ہو گئے۔ قلب و روح کے احساسات اور نیاز مندی و عقیدت کے بلے جلے جذبات نے یکبارگی بھٹک کر جو صورت اختیار  
 کی اور روحانی و مادی اختراعات نے جو حیرت انگیز منظر کھینچا وہ ان کے عاشقانہ خلوص اور الہانہ جذبات و کیفیات کا آئینہ دار  
 بنے جس سے ان کی مستی و سرشاری ظاہر ہوتی ہے

تو ہے وہ نازش فطرت کہ تمنا میں تری آستانہ پہ بجز سر کو تھکائے نہ بنے

دہو ہزار۔

یار برداشت پردہ از رخسار  
 این تمشون یا اولی الا بصار  
 لمعہ آفتاب طلعت او  
 طلعت من مشارق اظہار  
 ہمہ اشیا ہلاک این اشراق  
 ہمہ ذرات مجو این الوار  
 ہمہ را عاف ساخت این نور  
 ہمہ پاک سوخت است این نار  
 لمحہ اوست در مکن و مکان ...  
 جلوه اوست بر مین و یسار  
 نیست تکرار در تجلی او ...  
 گر چہ باشند برون ز حد شمار  
 لیکن اں از تجدد امثال  
 می نماید بہ صورت تکرار  
 جملہ ذرات کون اینہا بہت  
 کہ در اں جلوه می کند رُخ یار



پھر لکھتے ہیں کہ جب میں اپنی حاضری کے دوران قریش پہنچا تو ایک رات ایک مقام پر آپ کے ایک ملازم عہدیدار سے ملاقات ہوئی جو آپ کے تیرہ سو فارموں میں سے ایک فارم کی آب پاشی کا نگران تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نہر پر کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کام کا حال کیسا بناؤں۔ نہر کھودنے کے دوران اگر ایک آدمی چلا جاتا ہے تو تین ہزار جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک روز آپ نے خود دوران گفتگو فرمایا کہ میں ہر سال سمرقند کے فارموں سے اسی اسی ہزار من غلہ صرف عشر (ٹیکس) میں سلطان احمد مبرا کے تحصیلدار کو ادا کرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

حائریہ صوفیہ  
در ہر آئینہ بہ آئینے....  
ما نماید بجا شقاں دیدار  
گاہ مشہور بر سر بازار  
گاہ مستور در پس پردہ  
گاہ مشہور بر سر بازار  
گاہ بے پردہ می در اند تار  
پردگی اوست با ہمہ پردہ  
پردہ ساز اوست با ہمہ تار  
تا شود نقش پردہ شان حائل  
از تماشا تے نور آں رخسار  
اے زیندار غیر در پردہ  
خیز و بردار پردہ از بندار  
گردیں پردہ بار میتوا ہی  
روئے دل سوئے نقش بندار  
آں مقیمان بار گاہ اوست  
واں ندیمان صدر صفی یار  
ہمہ در بزم شوق شاہ نستان  
ہمہ در رزم عشق شاہ سوار  
ہمہ عالی وزاں میناں علی  
شاہ ابرار۔ خواجہ احرار

آپ کی وفات کے بعد بھی ان کی روح ماضی کے دھند لکوں میں ان معصوم نقوش کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ چنانچہ رشتہات کی ابتدائیہ میں اپنی حرماں نصیبی کی داستان شدید رنج و غم سے دہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”میں صرف دو بار خدمت اقدس میں حاضری سے مشرف ہو سکا۔ اور اب جب کہ آپ وفات پا چکے ہیں داغ مہجوری کا علاج صرف یہی ہے کہ آپ کی باتیں، آپ کا انداز، آپ کے حکیمانہ اقوال، آپ کی سیرت و کردار اور اوصاف و کمالات کی کاغذ پر ایک تصویر بنا کر اس سے اپنا دل بہلاؤں اور غم غلط کروں۔ اس کے ذریعہ نوح شدہ دل کی تسلی و تشفی کروں۔“

چوں کہ گل بگذشت و گلشن شد خراب بوی گل را از کہ جویم جز گلاب

میرے مال میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے کہ کونے والا (اندازہ کرنے والا) جس ڈھیر کو ہزار من کو بتاتا ہے  
تولتے وقت وہ چودہ سو اور پندرہ سو من نکلتا ہے ۱۵

مولانا موسیٰ (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ اپنے تحصیلداروں  
سے محصولات کی جانچ پڑتال فرما رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ استفسار فرماتے جاتے تھے کہ کس  
نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے چنانچہ بعضوں نے چالیس ہزار من کہا۔ بعضوں نے بیس ہزار من  
بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا۔ پھر باغات اور (خربوزہ وغیرہ کے) کھیتوں کی تفصیل طلب  
فرمائی۔ اسی دوران یکبارگی مولانا موسیٰ کی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر فرمایا کہ تم مجھے دنیا دار سمجھتے ہو  
حالانکہ مجھے ان تمام چیزوں سے جو اس وقت میرے تصرف میں ہیں اس تعلق کا دسواں حصہ بھی نہیں  
ہے جو تم کو اپنے کپڑوں کے ساتھ ہے پھر نہایت غصہ سے فرمایا

چیت دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اٹھنے کے بعد کسی نے ان سے آپ کے غصہ اور ناراضگی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے کہ جس وقت ہر ایک  
اپنے اپنے محصولات پیش کر رہا تھا میرے دل میں یہ آیا کہ یہ تمام دنیاوی لوازمات آپ کو خدائے غافل  
نہ کر دیتے ہوں گے۔ آپ میرے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور بہت عتاب فرمایا ۱۶

آپ نے نہایت قلیل عرصہ میں اپنی وہی منطقی اور استدلالی قابلیتوں اور کار فرمائیوں کی  
بدولت سارے زمانہ پر اپنا سکہ جما دیا۔ اپنے ایک مختصر سے اشارہ پر قیصریت و کسرویت کو فنا کر کے  
اپنے تزک و احتشام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اور اپنے دور میں جو امتیازی شان اور مجتہدانہ مقام  
حاصل کیا وہ نہ صرف معاصرین کیلئے تعجب و حیرت ثابت ہوا بلکہ متاخرین کیلئے بھی حیرت انگیز ہوا  
آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم و عنایت سے مجھے ایسی قوت و کرامت عطا فرمائی ہے  
کہ اگر میں چاہوں تو ایک ذرا سے رقعہ سے خطا کے بادشاہ کو جو الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تاج و تخت  
و سلطنت چھڑوا کر تنگے پیر اپنے پاس بلواؤں لیکن میں تو ہر وقت حکم خداوندی کا منتظر رہتا ہوں جو  
وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور ادب یہ ہے کہ اپنے کو حق کے ارادہ کا تابع کر لے

نہ کہ حق کو اپنے ارادہ کا تابع۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر شہنشاہی کو خود پر لازم کر لیں تو اس دور میں کسی شیخ کو مرید نہ ملیں  
لیکن ہم کو دوسرے کام کا بھی حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ظلم سے بچاؤں بادشاہوں سے میل جول رکھوں  
ان کے قلوب کو سحر کر دوں اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کی حاجت برآری کروں

## ملکی خدمات اور شاہان وقت پر افتداری

مذکورہ ملفوظات سے ہم کو ان کے انقلاب کا داخی ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ دور جدید کے مفکرین و مبصرین نے جو اپنے ریشحات فکر ترتیب دیئے ہیں ان سے حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انقلاب کے سب سے پہلے داعی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن ریشحات اور مقامات عالیہ کے مطالعہ سے یہ بات کوئی اور مکمل پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شیخ عبید اللہ احرار نے بھی اپنے دور میں ذہنی اور روحانی انقلاب برپا کر کے ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل کیا اور متاخرین کیلئے ایک ایسا نقشہ اور لائحہ عمل مرتب کر دیا جو اس نقشہ میں وقت کے لحاظ سے رنگ آمیزی کرتے رہے۔ میرا مقصد اس سلسلہ میں ہرگز اباب علم و فن کی کاوشوں پر ہم کو ششوں اور ان کے گراں قدر افکار و نظریات و تحقیقات کو کالعدم قرار دینا نہیں اور نہ ان کی اہمیت کو گھٹانا منظور ہے بلکہ یہ میری اپنی تحقیق ہے جو تاریخ سے فراہم ہوئی ہے اور تحقیق کے میدان میں ہر شخص "فکر ہر کس بقدر اہمیت اوست" اس کا مجاز ہے۔ مجددیت کے دور کا جائزہ لیتے ہوئے جہاں اور مجددین مصلحین و مفکرین اور مبصرین کی مساعی جمیلہ کا ذکر آتا ہے وہاں عبید اللہ احرار کی مجاہدانہ خدمات، سرگرمیاں اور تحریکات بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں جن کا غلغلہ تاشقند و سمرقند میں بلند ہو کر شہنشاہ بایر کے ذریعہ ہندوستان میں بھی در آیا۔ ان کی اس تحریک کو ضمنی حیثیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان کے دائرہ اثر کی وسعت سے سمرقند و تاشقند ہی محدود نہیں بلکہ ملک ہند بھی مستثنیٰ نہیں رہا تھا۔ بیسویں صدی کے نقاد سبھرنکار، مورخین اور اہل دانش و سنیش حضرات کے سلسلہ میں تقریباً خاموش ہیں اور اگر انھوں نے سلاسل کے ضمن میں کچھ ذکر کیا بھی ہے تو اول تو وہ تشنہ ہے دوسرے سطحی بھی ہے۔ انھوں نے اگر نکت سے کام نہیں لیا ہے تو بھی ان کو اور ان کے کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر جلا دینے اور اجاگر کرنے میں پہلو سہی کام ضرور لیا اور قرار واقعی اہمیت نہیں دی ہے۔

ذیل میں چند ایسے واقعات نقل کئے جاپیں جو آپ کے ملکی خدمات اور ایسے غیر معمولی و غیر العقول اقدار کا پتہ دیتے ہیں جسے شاہان وقت بھی مرعوب تھے۔ "صلح دادن حضرت ایٹان سہ بادشاہ مخالف ادریک معرکہ کی سرخی سے ایک نہایت دلچسپ اور تعجب خیز واقعہ سلسلہ العارفین سے نقل ہے جس کے جامع خواجہ مولانا قاضی خود اس موقع پر موجود تھے۔

(مرزا سلطان احمد اور مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود (شاہانِ وقت) کی ملاقات کا واقعہ) معلوم ہوا کہ مرزا عمر شیخ نے سلطان محمود خاں کو اپنی مدد کیلئے بلایا ہے اور دونوں شاہزیہ کے مقام پر لشکر موجود ہیں سلطان احمد مرزا بھی بہت بڑا لشکر لیکر ان کے مقابلہ کو چلے اور حضرت کو بھی اپنے ہمراہ لیلیا اور یہ ظاہر کیا کہ حضرت کو صلح کیلئے لیجاتے ہیں۔ چالیس روز شاہزیہ میں قیام رہا۔ اکتالیسویں روز آق قورغان میں جو شاہزیہ کا ایک موضع ہے سلطان احمد کا لشکر فروکش ہوا دوسرے روز حضرت نے سلطان احمد سے فرمایا کہ مجھ کو لگیوں لائے ہوں لڑائی کے کلم کا نہیں ہوں۔ اگر لڑنا ہی تھا تو میرا ساتھ لانا بیکار ہوا اور اگر صلح چاہتے ہو تو میرا خیر کہہنا ہے۔ مجھ کو تمہارے لشکر کے قیام نے پریشان کر دیا ہوا اب زائد کرنا ممکن نہیں مرزا نے عرض کیا کہ میرا کیا اختیار ہے جو حضور جاہل کہتے ہیں مجھ کو ذرا بھی دریغ نہ ہو گا چنانچہ آپ سوار ہو کر مرزا عمر شیخ اور سلطان سے ملنے کیلئے شاہزیہ کی طرف چلے میں (مولانا قاضی) بھی حضور کے ہم رکاب تھا ان لوگوں کو جب حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو استقبال کو حاضر ہوئے اور آپ کیساتھ شاہزیہ کی جانب چلے۔ راستہ میں حضرت نے سلطان محمود خاں پر خاص التفات فرمایا۔ اور صلح کی معاملات کو طے کر دیا اور یہ قرار پایا کہ تینوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ کھڑے ہوں اور درمیان میں ایک شامیانہ لگایا جائے جس میں تینوں بادشاہ اور حضرت خواجہ تشریف فرما ہوں۔ حضرت آپس میں اسی جگہ صلح کرادیں اور شرائط کا تعین ہو جائے اس کے بعد سہ پہر تک لشکر کوچ کرے۔

دونوں لشکر صف بستہ اور اجازت کے منتظر ہیں۔ دو ملکوں کی قسمت کا فیصلہ جس باوقار صاحب علم اور بزرگ شخصیت کے سپرد ہے وہ فیصلہ سے واقف اور باخبر ہے۔ دو حکومتوں کی فرمانروائی اور حکمرانی کا مسئلہ کوئی معمولی نہیں ہے۔ دفعتاً سینیں بدلتا ہے اور احرا لوں کے قافلہ سالانہ بحیثیت ثالث نظر اٹھاتے ہیں اور دونوں فوجوں کے خمیر کو بیدار کر کے ان میں ایک راسخ اور مستحکم شے ڈال دیتے ہیں۔ پھر اپنے دست و بازو سے آلات محبت کا صحیح استعمال بتاتے ہوئے ان کے خیالات کی ہنگامہ خیز تلوں کو چشم زدن میں تبدیل کرتے ہوئے اور ان کی قلب ماہیت کرتے ہوئے اس طرح دستگیری فرماتے ہیں کہ دونوں لشکر دُکھ و متحیر اور انگشت بندان رہ چاہتے ہیں اور تھوڑی دیر کیلئے یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس سب کے پس پردہ کوئی ایسی ہی مخفی طاقت ہے جو وقت کی رفتار کو بدلے دے رہی ہے اور ملکوں کی قسمت تبدیل کر رہی ہے۔ اس کی بات نہ ماننا کیا ان کی تباہی و بربادی کا باعث نہ ہو گا۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کرمیت نہ کرنے میں کیا وہ خراب خستہ حال نہ بن جائیں گے۔ اسکی سرتابی اور عدول حکمی میں خیر الزیاد والا کسے گہرے غام میں نہ گر پڑیں گے۔ کیوں نہیں۔

ابناظرین خواجہ محمد قاضی کی زبانی اس دلچسپ واقعہ کا دوسرا پہلو (حصہ) ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت کی توجہ کا مرزا سلطان محمود خاں پر خاص اثر طاری ہوتا تھا۔ صبح ٹر کے مرزا سلطان احمد کا لشکر ساز و سامان سے تیار ہو گیا۔ یہ لھے ہو چکا تھا کہ سپاہی صرف زرہ نہ نہیں باقی تمام ہتھیار لگائیں۔ لیکن بعض نے چھپا کر زرہ بھی پہن لی۔ دوسری طرف سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کا لشکر ہتھیار بند روانہ ہوا اور موضع قہقہہ میں پہنچ کر اس نے اپنی صفیں درست کر لیں۔ حضرت پھر شاہر خیمہ تشریف لے گئے تاکہ سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ بہت دیر کے بعد آپ کے ساتھ یہ دونوں بادشاہ آئے۔ اس وقت لشکروں نے اپنی صفوں کو درست کیا۔ شامیانہ کے نصب کرنے میں اختلاف ہو گیا اور بت بہت بڑھ گئی۔ حضرت دونوں لشکروں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسی جگہ ٹھہر کا جنو لہا اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مرزا سلطان احمد سے میری طرف سے جا کر کہو کہ میں اکیلا تن تنہا اس بوڑھا پے میں تمہارے تمام لشکر اور ہتھیاروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں یہی وجہ ہے جو لشکر تباہ نہیں ہو جاتا۔ اتنا ہی کیا کم ہے۔ اب اس ضعیفی میں اس سے زائد طاقت نہیں رکھتا۔ اگر واقعی تم کو میرے ساتھ خلوص و عقیدت ہے تو دوسری طرف کے لوگوں کو (حزب مخالف کو) جہاں وہ کہیں شامیانہ لگائے دو۔ یہ پیغام پہنچتے ہی اس خوش اعتقاد بادشاہ نے حکم دیدیا کہ جہاں وہ لوگ کہیں وہیں شامیانہ نصب کر دو مجھ کو حضرت پر پورا بھروسہ ہے۔ اس کے بعد مرزا سلطان احمد اپنے اراکین سلطنت اور امرا کے ساتھ آکر شامیانہ میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد حضرت بھی سلطان محمود خاں اور سلطان مرزا عمر شیخ کو ساتھ لیکر تشریف لائے جب یہ دونوں شامیانہ کے نزدیک پہنچے تو مرزا سلطان احمد ان کے استقبال کیلئے اپنے امرا کو ہمراہ لیکر شامیانہ کے باہر نکل آیا۔ حضرت نے پہلے سلطان محمود خاں کو آگے بڑھایا اور مرزا سلطان احمد سے معاف کرایا اس کے بعد سلطان مرزا عمر شیخ کو دونوں بھائیوں میں معاف ہوا۔ مرزا عمر شیخ نے بھائی کے ہاتھ کو بوسہ دینا اور رونا شروع کر دیا اور وہ بھی عمر شیخ کے گلے سے پٹا رو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام لشکری رونے لگے اور بڑا شور مچ گیا۔ اس کے بعد شامیانہ کے نیچے نشست ہوئی۔ مجلس پر بیٹ و بارعب و جلال تھی کہ میں نے بیٹ کے مارے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا تھا۔ دونوں فریق ہتھیار بند تھے کہ ذرا سی بات پر تلوار چلنے



داروہر سے بادشاہ راہ صلح و صفار راہتی ساختہ کرا کر ایک گروہ سے متحد فرمایا۔ پھر اس فرمودتا اور میان میدان شامیانہ ہر فرست شد  
 آپ کے ارشادات کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد قاضی نے سلطان ابوسعید مرزا کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ:-

حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے سلطان ابوسعید سے کہا کہ فلاں شخص کا ٹیکس معاف کر دو انھوں نے مان لیا اور حکم دے دیا کہ اس شخص سے نہ لیا جائے۔ کچھ دنوں بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ کی خدمت میں مجھے عرصہ سے نیاز حاصل ہے مگر نہایت نام نہون کہ اتنا عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ جب تمغہ (ٹیکس) شرعاً ناجائز ہے تو ایک ہی شخص کا کیوں معاف کیا جائے۔ عام رعایا اس کی معافی سے کیوں نہ مستفید ہو۔ مرزا نے اس وقت سکوت کیا اور میں بھی یہ دیکھ کر چپ ہو گیا۔ جب مرزا کے دربار سے گھر واپس آیا تو میں نے نور سعید سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے بوقت ملاقات بادشاہ سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ حضرت اقدس کے اتنا فرمانے کے باوجود بھی تمغہ کی عام معافی پر آمادہ نہ ہوئے۔ شاہ نے جواب دیا کہ میری جرات نہیں پڑی کہ حضرت کے سامنے ایسی بات کا دعویٰ کروں جس پر میری ہمت پورے طور پر مستعد نہیں تھی لہذا میں نے سکوت کیا۔ اب انشاء اللہ حضرت کی خواہش کے موافق عام معافی کا حکم جاری کروں گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد تمام رعایا کا ٹیکس معاف ہو گیا۔

بابر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمود مرزا خلف سلطان ابوسعید نے حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ابواب جاری کرنے میں بڑی شدت کی۔ چنانچہ بادشاہ بابر نے سلطان محمود کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی بدولت بہت سے غریب اور مفلس لوگ ٹیکس (ابواب) سے معاف تھے مگر اب ان سے بڑے ظلم اور تعدی کے ساتھ تحصیل ابواب کی جاتی ہے۔ خود حضرت خواجہ کی اولاد سے بھی سختی و تشدد کے ساتھ ابواب طلب کئے گئے۔

آپ کے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ "فرکت" میں قیام کے دوران ایک روز آپ نے دوات و قلم طلب فرمایا اور کچھ لوگوں کے نام ایک کاغذ پر لکھے اور ایک نام مرزا سلطان ابوسعید کا تحریر فرمایا اور اسے اپنی دستار مبارک میں رکھ لیا۔ اس وقت کسی کو سلطان ابوسعید کے نام بھی

علم نہ تھا۔ بعض مرمان خاص نے گستاخی کی جرات کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور نے اتنے بہت سے نام تحریر فرمائے لیکن اس نام (سلطان ابوسعید) کی خصوصیت سے تعظیم فرمائی اور اہمیت دی۔ وہ کون خوش نصیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا نام ہے کہ (مستقبل میں) ہم اور تم اور اہل تاشقند و سمرقند و خراسان سب اس کی رعایا ہوں گے اس واقعہ کے چند ہی روز بعد سلطان ابوسعید مرزا کا ترکستان سے شہرہ بلند ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ حضرت اقدس نے خواجہ احمد یسوی قدس سرہ کے اشارہ پر اس کے لئے دعا مانگی۔ اس نے خواب ہی میں خواجہ احمد یسوی سے آپ کا نام پوچھا اور اسے یاد رکھا بلکہ آپ کی صورت کو بھی دل میں نقش کئے رہا جب بیدار ہوا تو لوگوں سے پوچھا کہ تم اس ملک میں اس نام و نشان والے بزرگ کو جانتے اور ان کی صورت پہچانتے ہو۔ انھوں نے کہا جی ہاں بزرگ کے بارہ میں حضور دریافت فرما رہے ہیں وہ تاشقند میں ہیں۔ مرزا نے جب یہ سنا تو اسی وقت سوار ہو کر تاشقند روانہ ہو گیا۔ جب تاشقند پہنچا اور حضرت نے اس کی آمد کی اطلاع سنی تو فرکت تشریف لیگئے۔ جب وہ تاشقند آیا تو لوگوں سے یہ معلوم کر کے کہ آپ فرکت تشریف لیگئے ہیں۔ خود بھی فرکت روانہ ہو گیا۔ جب فرکت پہنچا تو آپ نے اس کا استقبال فرمایا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ پر پڑی بے قرار ہو گیا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ وہی بزرگ شخصیت ہے جس کی مجھے خواب میں زیارت ہوئی تھی۔ پھر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور نیاز مندانہ دعا کیلئے عرض کیا آپ نے فرمایا ایک دعا تو میں کر چکا ہوں۔ (اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد) ایک بہت بڑا شکر اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس کو سمرقند فتح کرنے کی خواہش ہوئی۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش اور ارادہ کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ نگاہ گرم کا امیدوار اور توجہ کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کس نیت سے جا رہے ہو۔ اگر شریعت کو تقویت پہنچانے اور رعایا پر شفقت کرنے کی نیت ہے تو جاؤ۔ تمہارا جانا مبارک ہے اور فتح تمہاری ہے۔ عرض کیا کہ "شریعت کو تقویت پہنچانے میں جان توڑ کوشش کروں گا اور رعایا پر شفقت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ اس کے کہنے پر آپ نے فرمایا کہ جاؤ شریعت کی پناہ میں جاؤ کامیابی سر دست ہے۔ بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بوقت روانگی سلطان ابوسعید مرزا سے فرمایا کہ تم جب دشمن کے مقابل



ہونا تو اس وقت تک اس پر حملہ نہ کرنا جب تک کوؤں کا ایک جھنڈ تمہاری پشت پر سے نہ آجائے چنانچہ جب سلطان ابو سعید کا لشکر مرزا عبداللہ کے لشکر کے مقابل ہوا تو مرزا عبداللہ کی فوج نے سلطان ابو سعید کے مہمنہ پر حملہ کر کے اسے پسپا کر دیا اور میسرہ پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ لیا تھا کہ اچانک کوؤں کا ایک بڑا جھنڈ سلطان ابو سعید کے لشکر کے عقب سے نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر لشکر لوں کے دل قوی ہو گئے اور انھوں نے یکبارگی مرزا عبداللہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں اس کے لشکر کی صفیں الٹ دیں۔ اور مرزا کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ فوراً اس کو گرفتار کر کے اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

حسن بیاد بیان کرتے تھے کہ میں اس لشکر کے ہمراہ تھا جو مرزا سلطان ابو سعید نے تاشقند سے سمرقند روانہ کیا تھا۔ آپ ہفتو مرزا عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور صفیں درست ہوئیں میں مرزا سلطان ابو سعید کے نزدیک تھا۔ مرزا کا لشکر تقریباً سات ہزار تھا اور اس کے مقابلہ میں مرزا عبداللہ کا لشکر بہت زائد تھا۔ اسی دوران ہمارے لشکر سے ایک ہزار سوار نکل کر مرزا عبداللہ کے لشکر میں چلے گئے۔ یہ دیکھ کر مرزا سلطان ابو سعید نہایت مضطرب اور خوفزدہ ہوئے اور میں مرزا کے نزدیک تھا۔ اچانک انھوں مجھ سے کہا کہ اے حسن تم کچھ دیکھ رہے ہو۔ میں نے کہا۔ جہاں پناہ! میں حضرت خواجہ کو دیکھ رہا ہوں کہ لشکر کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ مرزا نے کہا کہ میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا اب آپ مطلق فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ اسی دوران میری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ”باغی قاحتی“ یعنی دشمن بھا گیا۔ ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ تمام لشکر نے بھی یکبارگی یہی الفاظ دہرائے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مرزا عبداللہ گرفتار ہو گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی اور اسی روز سمرقند فتح ہو گیا۔ نیز وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدس نے فرمایا۔ جس وقت مرزا عبداللہ قید کیا گیا میں تاشقند میں متوجہ تھا۔ دیکھا کہ آسمان سے ایک سفید پوش قوم اتری اور عبداللہ کو بکڑ کر کام تمام کر دیا۔

( مرزا سلطان محمود کا سمرقند کے محاصرہ کے لئے آنا اور شکست کھانا )  
 جب سلطان محمود مرزا کی اپنے بھائی سلطان احمد مرزا پر چڑھائی کی خبر  
 اور سمرقند پر محاصرہ کا ارادہ حضرت اقدس کو معلوم ہوا تو سلطان محمود مرزا  
 کو اس کے اس اقدام پر تنبیہ فرماتے ہوئے اس مضمون کا خط تحریر  
 فرمایا۔

..... بعد سلام کے معلوم ہو کہ تم کو سمرقند پر  
 چڑھائی کرنا کسی طرح زیبا نہیں ہے کیونکہ اکابر نے سمرقند  
 کو بلدہ محفوظ کہا ہے اور لکھا ہے اپنے بھائی پر تلوار اٹھانا  
 کسی طرح مناسب نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم دیا ہے اور نہ  
 شریعت محمدی ہی اسکی اجازت دیتی ہے۔ محض لوگوں کے  
 اکسا دینے اور ورغلا دینے پر اس ملک پر فوج کشی کرنا  
 ان کے مقابلہ میں فیکری بات قبول نہ کرنا کیا تم کو اچھام ہو گیا  
 ہے سمرقند میں امرا، صلیاء اور فقرا بکثرت ہیں ان کو  
 اب اس سے زائد پریشان کرنا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ  
 کسی کا دل دکھ جائے اور اسکا ٹھیس بیچے اور عا میں یہ  
 کر بیٹھے۔ لہذا اس فیکری عرض جو بے غرض ہے اور خاصاً

”بعد از رفع نیاز عرضداشت این فقیر بملازمان حضرت  
 مخدوم زادہ خود آں کہ سمرقند را بلدہ محفوظہ اکابر  
 گفتہ اند و نوشتہ قصد سمرقند از خدمت شما مناسب  
 نمی نماید تیغ بر روئے برادر کشیدن چه مناسب بحق  
 سبحانہ بایں نہ فرمودہ است و شریعت محمد رسول اللہ  
 اینچنین نیست..... بسخن مردم قصد این ولایت  
 کردن و سخن فقیر قبول نہ کردن عجب می نماید....  
 در سمرقند عزیز بسیار اند و صلیاء بسیار اند فقرا بسیار اند  
 ایشان را پیش ازین بہ تنگ آوردن مناسب نیست  
 مبادا کہ دے درو کند تا دل دردمند چه کند.....  
 ملتقمس این فقیر کہ خدمت بے غرض است خالصتہ لوجہ

لوجہ اللہ ہے قبول کی جائے

سبحانہ قبول کنید“ اے

(تبرس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن۔ اجابت از در حق بہر استقبال می آید)

سلطان محمود نے آپ کے اس فرمانے اور تحریر کا مطلق اثر نہ لیا اور  
 سمرقند کے محاصرہ پر کمر بستہ ہو گیا۔

خدا مستار جن میں بیشتر سپاہی تھے اور اس محاصرہ و جنگ میں موجود تھے۔ بیان کرتے تھے کہ جب مرزا سلطان محمود نے سمرقند پر چڑھائی کی تو ہزار ہا جنگجو، فوجیوں کے علاوہ چار ہزار ترکمانی بھی ہمراہ تھے۔ سلطان احمد نے اسکے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر فرار ہونے کا ارادہ کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اضطراب اور ارادہ ظاہر کیا اور اجازت مانگی۔ آپ اس وقت شہر کے مدرسہ میں تشریف فرما تھے یہ گفتگو سن کر فرمایا اگر تم فرار ہو گئے تو یہ سمجھ لو کہ تمام باشندگان تاشقند قید ہو جائیں گے یہیں رہو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پریشان نہ ہو۔ ہمت رکھو اور مطمئن رہو۔ میں تمہارا ذمہ دار ہوں۔ اگر دشمن شکست نہ کھا جائے تو میں مواخذہ دار (جواب دہ) ہوں گا پھر مرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے حجرہ پر جو ایک دروازہ کا تھا لائے اور خود بددلت اس حجرہ کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک تیز رفتار اونٹنی منگوا اور اس پر کئی روز کا زادراہ رکھ کر حجرہ کے سامنے سلطان احمد کے رُو بڑو بٹھا دیا اور فرمایا کہ اگر سلطان محمود کا سمرقند پر قبضہ ہو جائے اور وہ اس دروازہ سے جنگ کرتا ہوا اندر داخل ہو تو تم اپنے مخصوصین کیساتھ اس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانا۔ یہ تدبیر بتا کر مرزا کو تسکین دی۔ پھر مولانا سید حسن مولانا قاسم میر عبد الاول۔ اور مولانا جعفر کو (جو آپ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے اور ان کا ذکر تیسری فصل میں آئے گا) طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جلد جاؤ اور اس دروازہ کے اوپر جہاں سلطان محمود ہے جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور جب تک اس کا لشکر شکست کھا کر فرار نہ ہو جائے میرے پاس نہ آنا۔۔۔ وہ چاروں حکم کے مطابق اس دروازہ پر جا کر بیٹھ گئے اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے مولانا قاسم بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ جیسے ہی اس برج پر جا کر بیٹھے تو (ایسی حالت طاری ہوئی) کہ اپنے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا بلکہ اپنا وجود بھی نظر نہ آتا تھا اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ خود حضرت اقدس تشریف فرما ہیں اور سارا عالم آپ ہی کے وجود مبارک سے پُرس ہے واقعہ بیان کرنے والا کہتا تھا کہ ہم سپاہیوں کی ایک جماعت ”پل رواں“ کے سامنے سلطان محمود مرزا کے لشکر سے جنگ میں مصروف تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے فتح ہو جائے گی اور میں ایک حجرہ کی حیثیت سے گھڑی گھڑی کی خبریں دروازہ کے اوپر مراقب بیٹھے ہوؤں کو پہنچا رہا تھا اور وہ سر جھکائے منتظر بیٹھے تھے۔ دوپہر تک جنگ مزید طول پکڑ گئی قریب تھا کہ دشمن فتح پا جائے اور شہر یوں کا حال یہ تھا کہ ان کے اوسان خطا ہو جا رہے تھے۔ اچانک دشت چپاق کی جانب سے نہایت تیز آندھی اور سخت طوفان اٹھا اور مرزا سلطان محمود کے لشکر اور لشکر گاہ پر

چھا کر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گرد و غبار کا حال یہ تھا کہ کسی کو آنکھ کھولنے تک کی مجال نہ تھی اور ہوا کی تیزی کا حال یہ تھا کہ نہ تو سوار گھوڑے پر ٹھہر سکتا تھا اور نہ پیادہ زمین پر جتنے نیچے اور شامیہ نے نصیب تھے سب کو اس تیز آندھی نے جڑ سے اکھاڑ کر فرس زمین کر دیا۔ غرض کہ ایک طوفانِ عظیم اٹھ کھڑا ہوا اور قیامت برپا ہو گئی اس وقت سلطان محمود مرزا اپنے امرار اور فوجی افسران کی کافی بڑی جماعت کے ساتھ ایک وسیع سرنگ میں سوار کھڑا تھا۔ اچانک سرنگ کا کنارہ پھٹا اور ایسی خوفناک آواز آئی جس سے چار سو آدمی دھنس گئے۔ اور جو سواریاں دیوار کے سایہ میں تھیں ہلاک ہو گئیں اور اس ہیب آواز سے گھوڑے اپنی راسیں تڑا کر بھاگنے لگے۔ ہر چند کہ گھوڑے سوار نہایت طاقتور اور جبری تھے لگائیں کھینچنے کے باوجود ان پر قابو نہ پاسکے اور تمام لشکر کی بارگی درہم ویرہم ہو گیا اور شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ اور سلطان محمود مرزا اس کے امرار اور لشکریوں پر ایسی دہشت غالب ہوئی کہ سب کے سب اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر تیزی سے شہر کے دروازہ سے نکل گئے۔ یہ دیکھ کر سلطان احمد مرزا کے فوجیوں اور شہریوں نے پانچ کوس تک ان کا پیچھا کیا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ راد کہا ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ وہ چاروں حضرات برج سے اتر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور صورتِ حال عرض کی) آپ نے مرزا سلطان احمد کو حجرہ سے باہر نکال کر تختِ سلطنت کی جانب روانہ فرمایا اور خود خواجہ کفیشہ کے محلہ میں تشریف فرما رہے۔

ایک بار مرزا بابر بیریہ مرزا شاہ رخ نے دو ہزار کا لشکر لیکر سمرقند پر چڑھائی کی۔ مرزا سلطان ابو سعید نے حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں حضور فرمائیں کہ میں کیا کروں۔ آپ نے اسکو تسلی دی۔ جب مرزا بابر آبِ آمویہ سے گذرا تو اس کے امراریہ سیاست چلے کہ مرزا کو ترکستان لے جا کر ترکستان کو محکم کریں۔ اونٹوں پر سامان لادا جا چکا تھا کہ آپ تشریف لائے اور ان کی سیاست سے واقف ہو کر شہر بانوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور فرمایا کہ اونٹوں سے سامان اتار لیا جائے اور مرزا سے فرمایا کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے کام اسی جگہ ہوگا میں نے تمہارا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے تم قتل کی کوئی فکر نہ کرو۔ بلکہ مطمئن رہو۔ بابر کی شکست میرے ذمہ ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر بعض افسران نے اپنی پگڑیاں یہ کہتے ہوئے زمین پر پھینک دیں کہ حضرت خواجہ سب کو مار ڈالتے ہیں۔ لیکن مرزا کو چونکہ آپ پر مکمل یقین تھا لہذا ان کی کسی

بات کی ذرہ برابر پروانہ کی اور بلا چلن و چہرا رک گیا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فہیل کے قریب پہنچا تو اسے پیشرو لشکر کے سردار خلیل مند و سے (جو سمرقند میں نماز گاہ پر ٹھہرا ہوا تھا) شہر کے تھوڑے آدمیوں نے نکل کر جنگ کی اور خلیل مند و کو گرفتار کر لیا۔ اور اس سے زائد سیاست داں کوئی شخص نہ تھا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فہیل کے قریب اترا تو سمرقند کے ان لوگوں کو جو اپنی اپنی ملازمتوں پر گئے ہوئے تھے مرزا بابر کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ بعضوں کو قتل کر ڈالا اور بعضوں کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ بابر کا لشکر بہت زائد مقتول ہوا اور بعض ناک کان کٹنے کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ چند ہی روز بعد اس کے گھوڑے بھی مرزا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے گھوڑے ضائع ہو گئے اور لوگ مردہ گھوڑوں کی بدبو سے پریشان ہو گئے۔ آخر کار مرزا بابر نے مولانا معانی کو صلح کیلئے حضرت اقدس کے پاس بھیجا اور صلح کیلئے عرض کیا۔ ملاقات کے دوران مولانا محمد سے عجیب باتیں واقع ہوئیں۔ (یعنی) ہمارے مرزا بڑے عالی ہمت ہیں جس سمت بھی رخ کرتے ہیں۔ بغیر فتح سکے واپس نہیں آتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر مرزا کے والد کے مجھ پر احسانات نہ ہوتے تو انہیں پتہ چلتا۔ پھر صلح پر راضی ہو گئے مرزا بابر نے اپنے اراکین سلطنت سے کہا کہ حضرت خواجہ تو صلح پر راضی ہیں لیکن سلطان ابو سعید راضی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان ابو سعید سے پوچھا جائے کہ آخر وہ ہم کو کیوں صلح کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں مرزا ابو سعید نے کہا مرزا بابر نہایت چالپوس اور احمق ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے ملازمین ان کے ملازمین سے مل جائیں اور ہمارا سارا کام دھواڑہ جائے۔ کیوں کہ ہمارے سارے امور آپ ہی کی عنایت سے وابستہ ہیں۔

آخری بار جب حضرت اقدس کمانگراں تشریف لے گئے تو مرزا عمر شیخ کا ایک غلام قنبر نام جو شاہرخیہ میں تھا، صالحت کیلئے آیا آپ نے بھی صلح کیلئے مبالغہ فرمایا لیکن جب مرزا سلطان احمد کے امرار صلح پر راضی نہ ہوئے تو آپ نے (لہجہ بدل کر) فرمایا کہ "خیر اگر وہ نہیں ملتے ہیں تو جانیں لیکن یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم زندہ رہ گئے تو صلح کرنا نہیں گے اور اگر نہ رہے تو ہماری روح صلح کرائیگی" اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت اقدس شاہرخیہ اور تاشقند تشریف لگئے مرزا عمر شیخ اپنے ایک معتمد کو شاہرخیہ میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ وہ معتمد شاہرخیہ کی حفاظت نہ کر سکا۔ اور شاہرخیہ ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ شاہرخیہ فتح ہونے کے بعد میر سید یوسف غلابی اور امرار

ایک جماعت نے نیز بعض ان حکام نے جو حضرت پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اور آپ کی ولایت  
راضی نہ تھے اور ننان کو یہ تسلیم تھا کہ ملک آپ کے قبضہ اقتدار میں دے دیا جائے (یہ طے کیا کہ  
مصدقہ میرام اور اندگان لیلے جائیں اور آپ کے مواضع کی پیمائش (دولوشن) کر کے اس  
کی قیمت آپ کو دیدی جائے تاکہ وہ تمام مواضع اپنے ہو جائیں۔ یہ تجویز پاس کر کے میرسید  
شاہرخیہ سے تاشقند چلے گئے۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی شامی چک خاں فرار ہو کر تاشقند میں  
داخل ہو گیا۔ ایک روز جب کہ لوگ جنگ کے لئے تیار تھے خواجہ علی نام جو سلطنت کا ایک  
پن تھا مار ڈالا گیا اس کے قتل کے بعد میرسید یوسف فرار ہو گئے اور مرزا کے تقریباً پانچ چھ  
ہزار افراد آب پرکٹ ہلاک ہو گئے۔ اور مرزا تباہ و برباد و خستہ حال ہو کر چند اشخاص کے ساتھ  
اتے۔ اور فرار ہونے کے بعد بعض معتقدین نے افسر علی سے کہا کہ یہ جو کچھ تباہی ہوئی ہے وہ  
محض تمہارے حضرت اقدس سے اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے ہوئی ہے (اب خیریت اسی میں  
ہے کہ تم حضرت کے مواضع کی پیمائش کئے بغیر واپس جاؤ۔ منقول ہے کہ جو لوگ پیچھے  
سے اگر شکر میں مل گئے تھے۔ وہ بہت تھوڑے تھے۔ لیکن سپاہی کہتے تھے کہ ہم کو زمین  
پر ہنس و خاشاک ایک سولہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ اور ہمارے کانوں میں تلواروں اور  
نیروں کی آوازوں کے سوا کوئی آواز نہیں آرہی ہے۔ امیر درویش محمد خاں جو ایک منصف آدمی  
اور آپ کے معتقد تھے..... رو کر کہتے تھے کہ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو آپ کی روح  
سے ہم کو پہنچا ہے۔ کیونکہ ہم نے آپ کی بات پر عمل نہ کیا۔

ایک بار تاشقند میں مرزا عمر شیخ کو مسلمانوں پر ٹیکس لگانے کا خیال آیا۔ جب آپ کو  
اس بات کا علم ہوا تو مسلمانوں کو چٹکارا دلانے کیلئے تاشقند تشریف لگئے اور باون ہزار دینارا سکو  
دیکھ کر دیتے کہ ایک سال تک مسلمان اس ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں۔ پھر دوبارہ شتر ہزار دینار مزید  
مسلمانوں کے رفاہ عام کیلئے عطا فرمائے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر اسے مسلمانوں پر ٹیکس لگانے  
کا خیال آیا مولانا ہلال (جو آپ کے مخلص معتقد تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ تاشقند  
سے فرکت تشریف لے جا رہے تھے۔ مولانا عبدالوہاب (جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور مرزا  
شیخ کی خدمت میں بڑا سوخ رکھتے تھے) اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اچانک  
مجھے گھوم کر پھر سے فرمایا پیچھے آئیو الوں سے کہ دو ابھی قریب نہ آئیں مجھے عبدالوہاب سے کچھ

خاص باتیں کرنا ہیں۔ میں نے آپ کا ارشاد ان لوگوں سے دہرایا۔ چنانچہ کوئی شخص قریب نہ آیا۔ اور سب اسی طرح چلتے رہے۔ اچانک دور پر ایک بارہ سنگھا نظر آیا۔ یہ دیکھ کر سب اسکی جانب دوڑے۔ صرف میں اور مولانا عبدالوہاب رہ گئے۔ حضرت اقدس نے مولانا عبدالوہاب سے فرمایا کہ جاؤ اور عمر شیخ سے جا کر کہہ دو کہ اگر وہ اس قسم کی باتوں سے باز نہیں آئیگا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ ابو سعید۔ قباد۔ ملک اسلم اور محمد خان سب میرے ہی مارے ہوئے ہیں اور چند دوسرے لوگ بھی میرے ہی ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ایسا کہ مجھے (ان قبرستانوں سے گذرتے شرم معلوم ہوتی ہے) (جہاں وہ دفن ہیں) یہ فرما کر مولانا عبدالوہاب کو لب آب پرک روانہ کر دیا قباد اور ملک اسلم کا قصہ یہ تھا کہ سلطان دس نام (جو مرزا سلطان ابو سعید کی اولاد میں تھا) جب مخالفت کر کے ترکستان گیا تو قباد اور ملک اسلم کو تاشقند کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے حضرت کی شان میں بڑی گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں۔ یہ خبر جب آپ کو پہنچی تو چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ ”جب تک ان کے سر حمام کی نالی میں نہ دیکھ لوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔“ چند ہی روز بعد سلطان دس نے اگر تاشقند پر قبضہ کر لیا اور ان دونوں کے سروں کو کاٹ کر حمام کی نالی میں ڈال دیا۔

آپ کے ایک مخلص عزیز بیان کرتے تھے کہ جس وقت سلطان احمد مرزا اور عمر شیخ سلطان محمود خاں پر حملہ آور ہوئے اور شاہرخیہ و تاشقند پر چڑھائی کی۔ مولانا محمد زعفرانی جو آپ کے معتقد اور خادم تھے اپنے اہل و عیال کو اس گاؤں سے شہر لے آئے۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے میں نے خواب دیکھا کہ میں شاہرخیہ کے ایک گاؤں میں ہوں اچانک ایک سوار ظاہر ہوا دیکھا تو حضرت اقدس ہیں تلوار کمر پر بھی ہے۔ مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ سوار ہوں لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ میرے تمام مواضع پر قبضہ کر لیں۔ تم دیکھ لینا کہ میں ان سب کیساتھ کیا کرتا ہوں۔ جب شاہرخیہ پہنچے تو جتنے حکام اور افسران سامنے آتے گئے آپ سب کی گردنیں مارتے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فوج منتشر ہو گئی۔ میں یہ خواب دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اپنا تمام مال و اسباب لیکر شہر آ گیا اور واقعی (خدا کی قسم) ہر شخص نے یہ دیکھ لیا کہ وہ سب اسی طرح مقتول ہوئے جیسا مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ بیشتر تاشقند کی جنگ میں مارے گئے اور بہت سے آب پرک میں غرق ہو گئے۔ اور مرزا سلطان احمد نے بڑی طرح شکست کھانی۔

نقل ہے کہ حضرت اقدس نے ایک واقعہ میں دیکھا کہ شریعت آپ کی ذات سے مستحکم ہوگی اور اسے فروغ ہوگا۔ قلب مبارک میں یہ آیا کہ یہ بات بادشاہوں کی اعانت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سلطانِ وقت سے ملنے کے ارادہ سے سمرقند گئے۔ اس وقت مرزا عبداللہ ابن مرزا ابراہیم ابن مرزا شاہ رخ سمرقند کا حاکم تھا۔ میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ جب سمرقند پہنچے تو مرزا عبداللہ کے امرا میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ میری عرض یہاں آنے سے تمہارے مرزا کی ملاقات ہے۔ مگر تم اس سلسلہ میں میری مدد کر سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے باعثِ ثواب ہوگا۔ اس نے بے ادبانه جواب دیا کہ ہمارے مرزا جوان بے پرواہ ہیں اور ان کی ملاقات بہت دشوار ہے اور درویشوں کو ان تمام باتوں سے کیا سروکار۔ آپ نے اس کے اس کہنے پر غصے سے فرمایا کہ ہم کو بادشاہوں سے مراسم قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم خود سے نہیں آتے ہیں۔ خیر اگر تمہارا مرزا پروانہ کرے گا تو کسی ایسے کو حاکم کیا جائے گا جو پروا کرے جب وہ امیر (افسر) چلا گیا تو آپ نے اس کا نام سیاہی سے دیوار پر لکھا پھر اسے آبِ دہن سے محو فرادیا اور فرمایا ہمارا کام اس بادشاہ اور اس کے امرا سے نہ ہوگا۔ اور اسی روز تاشقند کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ بعد افسر مر گیا۔ اس کے ایک ماہ بعد سلطان ابو سعید مرزا نے اطرافِ ترکستان سے ظہور کیا اور مرزا عبداللہ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں اپنے کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ میری کمر میں ایک سی بندھی ہے جس سمت میں ہوتا ہوں وہ رسی بھی اسی جانب ہوتی ہے اور یہ چیز بغیر قطبیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

الحق ان شاہ مستد ارشاد خبر از حال خویش تن می داد

مرزا سلطان ابو سعید کہتے تھے کہ میں نے خواب میں اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے سنا کہ خواجہ عبید اللہ میں بڑی قوت ہے ان سے جنگ اور دشمنی نہیں کی جاسکتی۔ وہ جس جانب ہوں گے اور جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اور بچپن سے اس بات کو جانتا ہوں کہ جس نے مجھ سے جنگ کی یا جنگ کا ارادہ کیا وہ مغلوب ہو اور پیش نہ پاسکا۔

ملکہ مقالات عالیہ ۲۸۸ سے ایضاً ۵۵۔



مرزا سلطان احمد بیان کرتے تھے کہ ایک بار خرچ کی اس قدر تنگی ہوئی کہ میں پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر امراء سلطنت سے یہ مشورہ کیا کہ دیہات کے لوگوں پر ٹیکس لگایا جائے سب نے میری اس تجویز پر اتفاق کر لیا پھر میں نے سوچا کہ اگر حضرت اقدس سے اپنی یہ لائحہ پریشانی اور اضطراب ہم نے عرض نہ کیا اور ہماری ضرورت کا آپ کو علم نہ ہوا تو یقیناً آپ اس تجویز کو مسترد فرمادیں گے چنانچہ امیر درویش محمد کو آپ کی خدمت میں یہ سب عرض کرنے کیلئے بھیجا وہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ملازمین میں سے ایک شخص اندر آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نے اپنے صاحبزادہ کے ہاتھ کچھ خرچ آپ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ شاید مرزا کو خرچ کی ضرورت ہو جب ان کو شمار کیا گیا تو دس ہزار تنگہ سفید تھے مرزا یہ واقعہ بیان کرنے کے دوران کہتے تھے کہ جو شخص آپ کی کرامات جو اس فقیر کی نسبت واقع ہوئیں لکھنا شروع کر دے تو دفتر کے دفتر ہو جائیں۔

نقل ہے کہ مرزا سلطان احمد نے آپ کے ارشاد کے مطابق سمرقند کا ٹیکس معاف کر دیا تھا قھوڑے عرصہ بعد ان لوگوں نے جنھوں نے سابقہ ایام میں خوب فوائد حاصل کئے تھے متفق ہو کر یہ اسکیم بنائی اور مکرو فریب سے یہ چال چلی اور اسکے افسران کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ قانون پھر سے نافذ کیا جائے اور وہ بارہ اشخاص تھے جو اس اسکیم میں شریک تھے یہ خبر جب آپ کے کانوں تک پہنچی تو غصہ آگیا اور فرمایا کہ خواجہ بہار الدین نے عرصہ تک جلادی کی ہے ہم بھی انھیں کے شاگرد ہیں۔ دیکھتے ہیں کس میں کتنی طاقت ہے کچھ لوگوں نے یہ بات سلطان احمد مرزا کے کانوں تک پہنچادی اس نے جب یہ سنا تو ڈر کر یہ خیال دل سے نکال دیا اسی روز ان بارہ (تھیلداروں) اشخاص میں سے ایک کو جب یہ خبر پہنچی تو (وہ ایک عقلمند اور سمجھ دار آدمی تھا) اس نے فوراً اپنی بڑی نیت سے توبہ کی اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوا اسی رات وہ گیارہ اشخاص ختم ہو گئے اور صبح کو ان سب کے تابوت (جنازہ) شہر سے باہر لیجائے گئے۔

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ کی شخصیت اور وجاہت ظاہری و باطنی کا شاہان وقت پر کس قدر اثر تھا اور وہ آپ سے کتنا مرعوب رہتے تھے بادشاہوں میں آپ سے سوئے اعتقاد رکھنے والے بھی تھے جن میں ایک تو سلطان محمود ہی تھا جس کے زمانہ کا محقر حال بابر نامہ سے

ملتا ہے بابر نے اسکے محاسن و معائب دونوں بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ وہ خوش خلق اور منتظم تھا لیکن شراب اور امر پرستی کا اس حد تک دلدادہ تھا کہ اس کے اہرار کے کسے بچے بھی نہ پکتے تھے بابر لکھتا ہے کہ یہ رواج اس کے زمانہ میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ہر شخص اسکو فیشن سمجھ کر کرتا تھا اس کے دربار میں کبھی فحاش کا بھی اجرار ہوتا تھا حضرت خواجہ سے اسکو سورطن تھا سلطان محمود کے نام حضرت خواجہ کا وہ خط بھی ہے جو سابقہ اوراق میں گذر چکا ہے اس کا بھائی سلطان احمد مرزا سمرقند کا بادشاہ تھا جس کے ملک پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے اس نے فوج کشی کی حضرت خواجہ نے اسے ایک خط بھیجا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ،، اگر تمہارا مقصد مسلمانوں کی قتل و غارت گری ہے تو اپنا مقصد پورا کر لو اور اگر سمرقند پر قبضہ کرنا ہے تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ تم کو حاصل نہ ہو سکے گا سمرقند میں بہت سے ایسے نیک لوگ بھی ہیں جو بزبان حال کہتے ہیں

بیش جسم چو خاکستم میا گستاخ کہ ہست درتہ او آتشے و دریا سے

ان مذکورہ واقعات سے ناظرین نے حضرت خواجہ کی ملکی و ملی مہمات کا

اندازہ کر لیا ہو گا ان کی وسیع النظری - خود اعتمادی - اولوالعزمی اور حب الوطنی جیسے اوصاف نے ان کی انفرادیت کو ایسا مستحکم کر دیا تھا کہ ملکوں کی اندرونی مسموم فضا میں قدم پر اس کے ازالہ کیلئے آپ کے تعاون - رہنمائی اور پشت پناہی کا سہارا ایسے ملے۔ آپ کے داخلی و خارجی لامحدود اثرات معاشی انصاف معاشرتی عدل نیز مختلف کوائف و حالات میں ساز و ستینز کا درجہ رکھتے تھے آپ کی زندگی ایک جہد مسلسل اور شخصیت ملک و قوم کیلئے ایک وہی حیثیت رکھتی تھی لہذا سیاسی آلائشوں سے یکدم پاک تھی - اور یہی وجہ تھی جو ہر حلقہ میں آپ وقعت و اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - زیر نظر سطور میں آپ کی سیرت اور دل افروز بصیرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں - آپ کی سوانح زندگی کے واضح نقوش تاریخی دستاویز میں اب زر سے لکھنے کے قابل ہیں - تصور میں آپ کے روزنامہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی لمحہ آپ کا بیکار و خالی گذرتا ہو - اپنے لاتعداد فارموں کی نگرانی ... ملکی و ملی امور میں سرگرمی - فتنہ انگیز عناصر کی سرکوبی - ملت کی تنظیم - ذہنی اصلاح - حقوق کا تحفظ - رشد و ارشاد - یاد حق اور شب بیداری نیز جملہ امور و مسائل - یہ سب چیزیں ایسی تھیں جو ان کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ثبوت دیتی ہیں - وہ ایک درد مند اور پرسوز دل رکھتے تھے اور عشق و محبت کا ایسا سراپا

تھے جو ذاتیات میں جمال اور سیاسیات میں جلال تھا یعنی اس کے دونوں رُخ طبیعت کے رنگ لے مطابق اپنے فطری میلانات میں دوگانہ تحریکات رکھتے تھے۔ ان کے خیالات۔ اور حقائق و معارف ان کے مسترشدین کے دست و قلم کے لکھے ہوئے ان کے کارناموں کا پتہ دیتے ہیں لیکن بظاہر اس سلسلہ میں ان کی اپنی تحریروں کے مفقود ہونے سے ان کا علمی استحقاق نظر آتا ہے لیکن محض ان کی اپنی تحریروں کے سامنے نہ ہونے سے ان کی علمی عظمت اور قدر و منزلت پر نہ کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اہمیت گھٹتی ہے اس سلسلہ میں دوسرے حضرات بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کوئی تصنیف فرمائی ہو اور وہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہی ہو۔ بہر حال اس سلسلہ میں محض قیاس کی بنا پر انگشت نالی نہ کرنا نہ منقذین کا حق تھا اور نہ متاخرین کا۔ آپ کے ارشادِ اہل حالات۔ واقعات اور کرامات یہ سب اجتماعی حیثیت سے خود ایک جامع ملفوظ اور اچھوتے معلومات سے لبریز ایک بیش بہا تصنیف اور مبسوط تالیف ہے۔ اور ہر سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ انہیں مقالات کی روشنی میں ان تمام باتوں کا جائزہ لے اور اس کی سیرت و کردار کی کاغذ پر ایک تصویر کھینچ کر زمانہ سے روشناس کرائے۔ میری یہ مختصر اور تشنہ تحریر اس سلسلہ میں تفصیل کا موقع نہیں دیتی اور نہ میری نااہلی اور کم ظرفی اسکی متقاضی ہے کہ آپ بھی شخصیت پر تبصرہ کے سلسلہ میں قلم اٹھانے

## حالات اور واقعات (کرامات)

مولانا محمد بیان کرتے تھے کہ مرزا سلطان احمد کے واقعہ کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت ماترید میں تھے۔ جب دریائے بخارا کے کنارہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ تشریف لارہے ہیں اور بہت بڑا مجمع آپ کے ہمراہ ہے اور پورا مجمع سفید پوش ہے۔ میں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ حضور۔ سلطان احمد تو ختم ہو چکے اب ان کے بعد کون بادشاہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان محمود ہونگے میں نے عرض کیا کہ اس سے تو کوئی خوش بے نہیں سب لوگ تو اسے برا کہتے ہیں اور وہ حضور کو اور حضور کے اہل و عیال تک کو برا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بدی

کرے گا تو اس کا خمیازہ خود بھگتے گا۔ سلطان احمد کی نماز (جنارہ) میں نے جمعہ کو پڑھی ہے اس کی  
(سلطان محمود) نماز جنارہ دو شنبہ کو پڑھ لوں گا۔ اور واقعی ہوا بھی یہی کہ اس کی نماز جنارہ دو شنبہ  
کو ادا کی گئی ساہ

آپ ایک بار قرش تشریف لجا رہے تھے۔ قرش کے قریب پہنچے تھے کہ احمد نام کا ایک شخص  
جسکے سپرد آپ کے اونٹوں کی نگرانی تھی سامنے آیا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے سید احمد سارو نے  
جو عرب کا داروغہ ہے سخت اذیت پہنچائی ہے یہ سکر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا لیکن (اپنے علم  
کی بنا پر) کچھ نہ فرمایا اور (اس وقت) ٹال گئے۔ جب سمرقند پہنچے تو سید احمد سارو اور محمد علی کو  
کلتاش خدمت میں حاضر ہوئے دوران گفتگو آپ نے سید احمد سارو سے مخاطب ہو کر فرمایا  
"کہ تم نے میرے فلاں آدمی کی لاتوں اور گھونسوں سے پٹائی کی ہے سمجھ لو کہ میں بھی اس قسم کی  
پٹائی کے طریقے خوب جانتا ہوں تمہارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آؤں گا پھر بہت غصہ سے فرمایا  
کہ میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا، اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ نے نماز پڑھی  
اور شام تک کسی سے کوئی بات نہ کی اور آپ کا رنگ دیورم دیکھتے ہوئے خود سے گفتگو کرنے لگی  
کسی کی مجال نہ پڑی تھوڑی ہی دیر بعد سید احمد بیمار ہو گیا جب تکلیف زائد بڑھی تو مرزا کو خبر  
بھیجی کہ میرا جو کچھ مرض اور تکلیف ہے وہ محض حضرت کی وجہ سے ہے میں نے آپ کے ایک  
ملازم کیساتھ بد سلوکی کی تھی جسکی وجہ سے آپ نے مجھ پر عتاب فرمایا آپ کرم فرما کر حضرت اقدس  
سے میری جانب سے معافی مانگ دیں۔ مرزا نے آپ سے عرض کیا۔ آپ نے مطلق التفات  
نہ فرمایا بلکہ تغافل برتا۔ جب مرزا نے زائد اصرار کیا کہ اسکی اس حرکت سے درگزر فرمائیں۔  
(اور اسکو ایک نظر دیکھ لیں تو آپ نے اس کے اصرار پر فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ  
سے مردہ سید احمد کے سلسلہ میں درخواست کر رہے ہو میں کوئی عیسیٰ تو ہوں نہیں جو مردہ کو  
زندہ کر سکوں۔ خیر اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں اسکی عیادت کو جاؤں تو جاتا ہوں  
یہ فرما کر روانہ ہوئے۔ جب ارک کے پھاٹک پر پہنچے تو ایک تابوت آتا نظر آیا جو سید احمد  
کا تھا یہ دیکھ کر آپ اسی جگہ سے واپس ہو گئے۔

ایک درویش نے بیان کیا کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت بیٹھا ہوا تھا کہ ایک تاجر خواجہ مصطفیٰ زوی آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ میری حسن دیوان مرزا سلطان احمد نے ایک بات کہی ہے اور باصرار یہ کہا ہے کہ اسکو حضرت تک پہنچا دو۔ آپ نے فرمایا وہ کونسی بات ہے بیان کرو۔ انھوں نے کہا، ما میرک حسن کہتا ہے کہ سلطان احمد کے پاس جو تھوڑی بہت جگہ رہ گئی ہے براہ مہربانی حضرت خواجہ وہ بھی لے لیں اور ہمارا بیٹھا چھوڑ دیں یہ سنتے ہی آپ کا رنگ بدل گیا۔ ریش مبارک کے بال کھڑے ہو گئے اور غصہ سے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ کتاب مجھے کچھ کے سے رہا ہے اور اسی حالت میں گھر کے اندر چلے گئے۔ پندرہ روز بعد میرک حسن کو یہ حادثہ پیش آیا کہ مرزا سلطان احمد نے غصہ سے یہ حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔

شیخ ابو سعید آبریز بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرت اقدس ابتدائے حال اور نوجوانی میں ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور ہم سب لوگ مع متعلقین و اولاد آپ کی خدمت گذاری میں مصروف تھے۔ اور عجیب و غریب حالات و جاذبات مشاہدہ کر رہے تھے جس سے ہمارے عقاید مزید پختہ ہو گئے تھے ایک روز میرے بڑے بھائی روتے ہوئے آئے کہ اسد جوئی بان کے لڑکے نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہے اور بہت سخت کسست کہا ہے اسی اثنا میں میری والدہ آگئیں اور انھوں نے نہایت مضطرب ہو کر عرض کیا کہ حضور میرے اس لڑکے پر خاص توجہ فرمائیں وہ شخص نہایت ظالم و فاسق ہے اور بہت سے فقرار کو اس سے نقصان پہنچا ہے آپ والدہ ماجدہ کے اضطراب اور پریشانی سے بہت متاثر ہوئے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا آپ نے ناز پڑھی اور ناز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ کتاب ہمارے ناز پڑھنے کے دوران آگیا ہم نے اس کا کام تمام کر دیا تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص سے کسی سے جھگڑا ہوا جس نے اس کی خوب درگت بنائی چونکہ ہمارے باپ دادا وغیرہ سب آپ ہی کے مخلص نشینی خادم تھے لہذا آپ اکثر ہمارے غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے تھے جب آپ دوبارہ تشریف لائے تو والدہ نے آپ سے عرض کیا کہ حضور کے کرم و عنایت سے دشمن نے خوب سزا پائی آپ نے فرمایا اس روز جو ہم نے کہا تھا وہ واقعہ ابھی پیش نہیں آیا ہے بلکہ اب پیش آئے گا اس کے کچھ ہی دنوں بعد کسی جرم کی سزا میں ابادشاہ نے اسے گھوڑے کی دم میں باندھ کر لاک کر دیا۔ پھر بیڑوں اور گوشت کے ٹکڑوں کو جمع کر کے جلوادیا۔

نقل ہے کہ عبدالرزاق نام کے ایک ڈاکو کو جو اپنی بدی اور دلیری میں مشہور تھا خواجہ مولانا نے حضرت اقدس کو قتل کر دینے کے لئے ایک بہت بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا۔ وہ راضی ہو گیا کہتا تھا کہ تین بار آپ میرے سامنے سے تنہا گزرے لیکن باوجود کوشش آپ پر ہاتھ ڈالنے کی میری ہمت نہ پڑی اور آپ مجھے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ جب مرزا عمر شیخ کے آدمیوں کے ہاتھوں وہ گرفتار ہو کر تاشقند لائے گئے تو آپ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ مرزا نے ان کے قتل کا حکم دیدیا ہے تو فرمایا اگر وہ سچ بات کہدے جو خواجہ مولانا نے اس سے کہی تھی اور اس نے اسے منظور کر لیا تھا تو میں اسے رہائی دے دوں گا۔ اس نے یہ سن کر تمام باتوں کا اقرار کیا۔ آپ نے اسے طلب فرما کر رہائی دی۔ مولانا صاحبی منشی (جو آپ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے) بیان کرتے تھے کہ جب تنہائی ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مجھے اس بات پر سخت تعجب ہے کہ حضور کو اپنے ملازمین میں سے کسی کی اگر ذرا سی بات بھی ناگوار ہوتی ہے تو وہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ خواجہ مولانا کی یہ حرکت اور عداوت تو کھلم کھلا تھی اس کے اس طرح درگزر کرنے میں کیا مصلحت تھی (یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی) آپ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ وہ ایک باطل زندگی رکھتا ہے ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ (آپ کے اس فرمانے پر) انھیں ایام میں اسے ایک ایسا مرض ہو گیا کہ اپنے فضلات (پاخانہ، پیشاب) سے کھیلنے لگا۔ اور اطباء اس کا مرض تشخیص ہی نہ کر سکے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ اپنے گاؤں "داغ" تشریف لیجا رہے تھے۔ اثناءِ راہ میں ایک قلندر سامنے آیا اور گستاخانہ کہنے لگا کہ اسے دنیا دار کتنی دنیا اور جمع کر دو گے اور شانِ اقدس میں اور بھی بے ادبی کی باتیں کیں۔ آپ نے (اپنے علم کی بنا پر) سکوت فرمایا اور داغ چلے گئے۔ شب میں وہی قیام فرمایا۔ صبح کو مجھے شہر بیجا۔ اثناءِ راہ میں جس جگہ وہ قلندر ملا تھا ایک قبرستان تھا جہاں لوگوں کا جم غفیر اکٹھا تھا اور کچھ لوگ قبر کھود رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ قبر اس شخص کی کھودی جا رہی ہے جس نے کل اسی جگہ حضرت کی شان میں بے ادبی کی تھی اور نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔

سے مقامات عالیہ ۱۷۵ سے ایضاً ۱۷۳





ملاحسن قوتور روئی بیان کرتے تھے کہ ایک روز غیر سے دل میں آیا کہ آپ سے میری اجازت مانگ کر شیخ زادہ الیاس کی خدمت میں جو کوہ نور پر رہتے ہیں جاؤں۔ اچانک آپ نے میری جانب بکھ کر شہو بڑھا تو کوہ کجا روی بہ من باشن امروز معاذ در جبل نیست

مجھ کو اپنے اس ارادہ سے نہایت ندامت ہوئی اور اس کو ترک کر دیا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک بار آپ قرش سے تشریف لارہے تھے شب میں ایک مقام "صدر جہاں" پر قیام فرمایا۔ صبح کو جب شہر کی جانب روانہ ہوئے تو بے کیف اور بے لطف سے تھے۔ مولانا لطف اللہ آپ کی خدمت میں بتناش بتناش حالت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پہچان گئے ہو۔ مجھے آج تک کوئی پہچان نہیں سکا ہے۔ مجھ پر جو بھی مکشوف ہوتا ہے اگر میں اسے ظاہر کروں تو (دماغوں کی رگیں پھٹ جائیں) اور

کارخانہ عالم کا بھیجا باہر آجانے پھر یہ اشعار پڑھے

ہر کسے ارطن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

بہر من از نالہ من دور نیست لیک کس زادید جاں دستور نیست

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے ایک لغزش ہو گئی جس سے مجھے سخت ندامت ہوئی اور اس ندامت کی وجہ سے میں کئی روز تک آپ کا سامنا نہ کر سکا۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ گناہوں سے مجھ کو بھونا اور اولیاء اللہ کی صحبت سے محرومی بہت بڑا نقصان ہے بہر حال جو کچھ بھی ہو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ یہ خیال کر کے بصد ندامت حضرت خواجہ نقشبند کافاتی پڑھا اور ان کی سفارش لایا کہ آپ میری خطا کو معاف فرمائیں۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری جانب نظر اٹھائی اور فرمایا اگر تم اس کی پابندی کر لو تو بہت اچھا ہے (یعنی حضرت خواجہ نقشبند کی روح پر فاتی پڑھ لیا کرو) لیکن عموماً لوگ ایسا کرتے نہیں ہیں۔ رسالک کو اپنے حوال پر ہر وقت نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی بات اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ یہ دیکھ کر میرا عقیدہ آج سے پختہ ہو گیا اور حسب فرمان والا شان اسکا وسیلہ طریقہ سے آئندہ ناشائستہ حرکات سے محفوظ رہا۔

مرزا شاہ رخ کے زمانہ میں آپ بہرات میں مقیم تھے۔ مولانا شیخ ابوسعید جلد (اس وقت ایک حسین نوجوان تھے اور آپ کے عنایت یافتہ تھے) بیان کرتے تھے کہ آپ کی نظر التفات کے دونا

۱۷۹ مقامات عالیہ ۱۸۶ مقامات عالیہ ۱۸۶ مقامات عالیہ ۱۸۶ مقامات عالیہ

یہ اتفاقاً شہاب ایک حسین عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ (رفتہ رفتہ مراسم بڑھتے گئے)  
 اور ایک روز وہ میرے گھر آگئی۔ میں نے اس کے ساتھ خلوت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ چانک  
 حضرت اقدس کی آواز سنائی دی کہ "باہیں ابو سعید یہ کیا"۔ پس یہ آواز سن کر فوراً الگ  
 ہو گیا اور ایسی پیدت و رعب میرے دل پر غالب ہوا اور اعضا پر ریشہ طاری ہو گیا۔  
 اچھل کر الگ ہو گیا اور اس عورت کو گھر سے بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ تشریف  
 لائے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا اگر توفیق الہی شاملِ جلی نہ ہوتی تو شیطان تمہیں یہاں لے گیا ہوتا  
 ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ سفرِ حضار اور حضرت مولانا یعقوب چرخ  
 کی خدمت میں رہ کر دوبارہ ہرات تشریف لائے تو پستہ میں ایک مخلص کے مکان پر  
 قیام فرمایا۔ اتفاق سے اس روز ان کے وہاں احباب کی دعوت تھی ان میں ایک نہایت خوبصورت  
 لڑکا بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اپنے حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا۔ اس وقت دسترخوان بچھا ہوا  
 تھا اور سب کھانے میں مصروف تھے۔ کھانے کے بعد خیاباں کی سیر کا ارادہ تھا۔ اس مخلص نے  
 جیسے ہی آپ کو دیکھا قدموں پر گر پڑا۔ حد سے زیادہ نیاز مندی برتی اور اس حد تک انکساری  
 کی کہ تمام موجود مہمان متحیر رہ گئے۔ کیونکہ ان کی آپ سے کوئی واقفیت پہلے سے نہ تھی۔ آپ  
 نے بھی ان کا خلوص دیکھ کر بڑی عنایت فرمائی۔ لیکن اس نوجوان نے اپنے حسن کے غرور میں آپ  
 کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور نہ اپنی جگہ سے ہلا۔ وہ مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ تشریف  
 فرما ہوئے تو میں نے خود بیانہ عرض کیا کہ ابھی ابھی لوگوں نے کھانا کھا پایا ہے اور چوبہا جل رہا ہے  
 حضور جو چیز پسند فرمائیں اس کے پکوانے کا انتظام کروں۔ قبل اس کے کہ آپ "ہاں" یا "نہیں"  
 میں جواب دیں اس نوجوان نے (جو اپنے حسن کے غرور میں ہر شاعر تھا اور یہ چاہتا تھا کہ  
 اپنے ساتھ مجھ کو بھی برباد کر دے) بے ادبانہ کہا کہ اس مسافر کو جو کھانا موجود ہو وہ  
 دے دو۔ کھانا تو ختم ہو چکا ہے اور اب مزید کھانا پکانے کی کسی کی ہمت نہیں  
 ہے۔ آپ نے جو اس کا تکبر و غرور پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے اب یہ بے ادبانہ  
 لہو اور گفنگو سنی تو آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا "اسے خوبصورت  
 نوجوان! تم اپنے حسن و جمال پر مغرور اور بہت بھول رہے ہو۔ اگر میں تمہارا چہرہ سیاہ

نہ کر دوں تو گناہ گار ہوں پھر زور سے فرمایا۔ ہم مسافر آدمی ہیں۔ دؤر سے آرہے ہیں اور بھوکے ہیں۔ اور اس وقت گرم تازہ سالن کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ میں یہ سن کر تیزی سے اٹھا اور قدر سے گوشت، چاول، چنے کی دال اور دیگر مصالحہ جات وغیرہ لے آیا۔ اس دوران آپ نے سکوت فرمایا اور اس نوجوان پر اپنی توجہ مبذول کی اچانک میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان نہایت بے قرار و مضطرب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو یہ خدمت میں انجام دوں۔ آپ نے فرمایا "ہاں کوئی ہرج نہیں"۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور دامن سمیٹ کر چولھے کے پاس بیٹھ گیا اور باوجود میرے کہنے کے مجھے چولھے سے پاس سے اٹھا دیا اور خود بیٹھ کر آگ جلانے لگا۔ اس کی گرمی سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور پسینہ نکل رہا تھا۔ اور ہاتھ لکڑیوں سے جل کر آدھے سیاہ ہو گئے تھے اور جتنی بار ان ہاتھوں سے چہرہ اور پیشانی کا پسینہ پوچھتا تھا۔ پیشانی اور دونوں رخسارے سیاہ ہوتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر اس کے والد اور دوست اچھا نے کہا کہ اپنے چہرہ کی سیاہی تو دھو ڈالو۔ اس نے یہ سن کر مزاخا کہا کہ النور فی السواد (یعنی سیاہی اور تاریکی ہی میں تو نور ہوتا ہے) اور قسم کھا کر کہا کہ اس سیاہی کو اس وقت تک دؤر نہ کروں گا جب تک آپ کے سامنے کھانا نہ لگاؤں گا جب کھانا لگا چکا تو گیا اور ہاتھ منہ دھو کے وضو کیا اور مودپ ہو کر آپ کی خدمت میں آکر بیٹھ گیا۔ اور آپ کے ساتھ بے پناہ محبت پیدا ہو گئی۔ اور جب تک آپ ہر رات میں رہے وہ مستقل آپ کی خدمت میں رہا اور آپ بھی اس پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ لے

آپ کے ایک مخلص ارادتمند بیان کرتے تھے کہ آپ سے میری محبت و شیفتگی کا سبب یہ ہوا کہ میں ایک ماہر ڈاکے عشق میں گرفتار تھا۔ فریفتگی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور میں نہایت بیقرار تھا اور اس کے گھروالے میرے ساتھ نکاح کرنے پر کسی طرح راضی نہ تھے جب میں کار بر آری سے عاجز و مایوس ہو گیا تو میں نے ایک ترکیب سوچی اور دو فرنی (جعلی) گواہ بنا کر قاضی کے پاس فرکت گیا اتفاق سے قاضی

اس وقت آپ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے لہذا میں بھی آپ کی خدمت میں چلا گیا اور سارا قصہ حضرت کے سامنے دہرا دیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ معلوم ہوا مجھ میں کوئی چیز سما گئی۔ اور چشم زدن میں میرے فاسد خیالات رفع ہو گئے اور لڑکی والوں سے جھگڑے کا خیال دل سے جاتا رہا۔ جب آپ تاشقند جانے کے لئے روانہ ہوئے تو سوار ہوتے وقت ایسی نظروں سے میری جانب دیکھا کہ میرے اندر آگ بھڑک اٹھی ہر چند اپنے کو سنبھالنا چاہا لیکن نہ سنبھال سکا اور بے اختیار چینیخیں مارنے لگا۔ سابقہ عشق کو بالکل بھول گیا اور آپ سے ایک پر سوز تعلق پیدا ہو گیا۔ شدید سردی کا زمانہ تھا۔ برف گر رہی تھی لیکن میری حرارت عشق کی شدت کا حال یہ تھا کہ دونوں موزے اتار کر پھینک دیئے اور ننگے پیر اسی برف میں آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو کر تاشقند تک چلا گیا۔ جب حجرہ کے دروازہ پر پہنچا تو آپ حجرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور آگ جل رہی تھی۔ مجھ کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ "آؤ تاپ لو" یہ کہہ کر خود بدولت باہر تشریف لے گئے۔ اس تاریخ سے میں آپ ہی کی خدمت میں رہا اور کبھی کسی دوسرے کا خیال تک دل میں نہ آیا۔

افری گری محبت کہ ترے سوختہ جاں جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے  
 آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری سے قبل ایک خوبصورت نوجوان کی محبت میں گرفتار تھا یہاں تک کہ سوتے جاگتے اسی کا خیال چھایا رہتا تھا۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی ہی حاضری میں وہ تمام تعلقات اور خیالات بالکل بھول سے محو ہو گئے اور اس کی جگہ آپ کی الفت و محبت نے یلی۔ ایک بار تاشقند میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس جوان کی صورت کا خیال آیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور اس کا نام لیکر فرمایا کہ "ہم نے تو وہ سلسلہ ختم کر دیا ہے اور اس کا تعلق منقطع کر دیا ہے اب کیوں اس کا خیال دل میں لاتے ہو۔ حالانکہ اس وقت تک اس واقعہ کا کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ اس بات کا مشاہدہ میرے مزید یقین کا سبب ہو گیا۔"

شیخ زادہ الیاس عشقی آپ کے ابتدائے ظہور میں سمرقند میں ایک بہت بڑی جماعت کے شیخ اور امام تھے اور کوہ نور میں (جو اطراف سمرقند میں واقع ہے) بہت بڑا لشکر رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ایک روز آپ ایک جنگل سے گذر رہے تھے دیکھا کہ کسانوں کی ایک جماعت غلہ ماند رہی ہے آپ نے پوچھا یہ کھلیان کس کا ہے لوگوں نے عرض کیا شیخ زادہ الیاس کا ہے آپ گھوڑے سے اترے اور چک کو لیکر تھوڑا بھوسہ غلہ سے الگ کیا پھر سوار ہو کر روانہ ہو گئے یہ خبر جب شیخ زادہ الیاس کو پہنچی تو بہت متاثر ہو کر کہنے لگے کہ خواجہ نے ہمارا کھلیان برباد کر دیا اسی اثنا میں ان سے کچھ بے ادبی سرزد ہوئی اور ان کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا مولانا محمد قاسمی لکھتے ہیں کہ دان کا قصہ دراصل یہ تھا کہ مولانا شیخ محمد کشی شیخ زادہ الیاس پر اس وجہ سے معترض تھے کہ وہ ذکر چہر کرتے تھے اور ان کے مابین گفتگو طویل پکڑ گئی تھی اور ملک کش کے ترکوں کی ایک جماعت جو شیخ زادہ کی مرید تھی مولانا شیخ محمد کی دشمن ہو گئی تھی اور اس حد تک نوبت پہنچ گئی تھی، ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا شیخ محمد کو فنا کر دیں حضرت اقدس نے اس خیال سے کہ ان ترکوں سے مولانا شیخ محمد کو اچانک کوئی نقصان نہ پہنچ جائے مولانا کی جانب توجہ فرمائی کچھ لوگوں نے اس بات کو شیخ زادہ سے دوسرے پیرایہ (انداز) میں بیان کیا اور وہ یہ سمجھے کہ غالباً آپ کو شیخ زادہ سے عداوت ہے شیخ زادہ نے بغیر سوچے سمجھے امیر درویش محمد ترخان کو ایک خط لکھا جس میں حضرت اقدس پر بھی طنز تھے اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ۔۔۔ دین و ملت میں کیسی سستی آگئی ہے ایسا شیخ جس کی خرید و فروخت اور کسانی و کاشتکاری قانون شریعت کے مطابق نہیں ہے اسکی باتوں کا تمہارے دلوں پر کیا اثر ہوگا امیر درویش محمد خان آپ کے خادم تھے لہذا اس خط کو آپ سے پوشیدہ نہ رکھ سکے اور خدمت میں پیش کر دیا ایک روز میں خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا تم نے شیخ الیاس کا خط دیکھا اس نے میرے بارہ میں کیا لکھا ہے پھر خط کا مضمون بیان کرتے ہوئے نہایت غصہ سے فرمایا کہ اے شیخ زادہ! جس دن سے میرا ظہور ہوا ہے کتنے شیوخ اور مولانا لوگ چیونٹیوں کی طرح میرے پیروں تلے مسل چلے ہیں جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے یہ شیخ زادہ کیا کہتا ہے شریعت کے قانون کو وہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے، آپ کے اس فرمانے کے تھوڑی ہی دیر بعد شیخ کے لنگر میں دبا پھیل گئی جس میں ان کے لڑکے اور دوسرے لوگ

ان کے سامنے ختم ہو گئے اور سب کے بعد شیخ کا بھی انتقال ہو گیا۔  
 قاضی ابو منصور تاشکندی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ابتدائے ظہور میں تاشکند میں مشائخ کی بہت  
 کثرت تھی جو لوگوں کو ارشاد و تلقین کیا کرتے تھے لیکن صرف آپ سے بغض حسد اور دشمنی کی بدولت  
 آہستہ آہستہ سب نیست و نابود ہو گئے ایک بار آپ باغستان سے تاشکند قیام کے ارادہ سے آئے  
 اور تصرف کا آغاز فرمایا تاشکند میں ایک شیخ تھے جو وہاں کے بہت بڑے امام۔ مقتدا اور علوم  
 ظاہری نیز تصوف کے عالم تھے اور ان کے بکثرت مریدین تھے ایسا کہ پچاس اشخاص تو صرف ان  
 کے خلفاء (صاحب اجازت و ارشاد تھے) انھوں نے جب آپ کو طالبین پر جذب و تصرف فرماتے  
 دیکھا تو حسد پیدا ہوا اور ایک روز آپ کی مجلس میں اس ارادہ سے آئے کہ آپ پر توجہ و تصرف کر کے اس  
 سب سے باز رکھیں جب وہ بیٹھے آپ کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنی نگاہیں آپ کی جانب جما کر ہمت  
 کو مصروف کیا اور توجہ ڈالنا چاہی تو آپ بھی اس کے دفعہ میں مشغول ہوئے تھوڑی دیر بعد سر مبارک  
 اٹھایا اور داہنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا اور ایک تولیہ جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا اٹھایا اور ان  
 کے منہ پر مار کر فرمایا کہ میں مسلوب العقل دیوانہ سے کیا ملوں جس کے دل میں کوئی علم باقی ہی نہیں  
 ہے اور اٹھ کر چلے گئے جیسے ہی آپ نے یہ کہا شیخ نے ایک نعرہ مارا اگر کر تڑپنے لگے پھر ہوش  
 ہو گئے ہوش آنے پر تیزی سے اٹھ کر باہر چلے گئے دماغ میں خلل پیدا ہو گیا اور دوسرے ہی  
 روز تمام معلومات فراموش ہو گئیں اور ایسی بڑی حالت ہو گئی کہ برہنہ بازار میں پھرا کرتے تھے  
 اور تن بدن کا ہوش نہ تھا جب کبھی آپ راستہ میں نظر پڑ جاتے تو آپ کے پیچھے دوڑتے لیکن آپ  
 ان کی جانب متوجہ نہ ہوتے۔

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز جامع مسجد سے واپسی کے  
 وقت آپ کے خدام کی ایک جماعت سے ملاقات ہو گئی ان میں سے ایک نے ساتھیوں کو ہوٹل  
 میں کھانے کی دعوت دی اسکی دعوت پر ہم لوگ ایک باورچی کی دوکان پر اسے اتفاق سے وہاں  
 شاہی خاندان کے بھی کچھ لوگ موجود تھے جو نہایت خوبصورت حسین اور عجیب و غریب خصائل کے

حامل تھے میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم ان نوجوانوں کی جانب نہیں دیکھتے کہنے لگے کہ یہ خلاف شرع امر ہے ہم کو کیوں ترغیب دیتے ہو میں نے کہا کہ اگر شہوت کی نظر سے ہو تو ضرور خلاف شرع ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں اس پر سب لوگ دیکھنے لگے جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا کہاں سے آرہے ہو عرض کیا جامع مسجد سے فرمایا جھوٹ نہ بولو جامع مسجد تو جاتے ہی ہو اور غصہ کا اثر چہرہ مبارک سے ظاہر تھا! فرمایا: ”جاوریجی کی دوکان سے آرہے ہو اور وہاں خوبصورت نوجوانوں سے نظریں لڑا رہے تھے تم میں سے بعض اسکو خلاف شرع کہہ رہے تھے اور بعض یہ جواز دے رہے تھے کہ اگر شہوت کی نظر سے پاک ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی اثنا میں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تو شہوت کی نظر کے بغیر دیکھ نہیں سکتا تم کہاں سے پیدا ہو گئے کہ بغیر شہوت کے نگاہ کرو“ (اور) بعض خدام سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ فرماتے تھے ”ستو بار میرا جگر خون ہوتا ہے تب کہیں جا کر میں صاحب جمال کے پاس سے صبح و سلامت گذر پانا ہوں“۔

ایک روز قطب سواد خاں خراسانی آپ کی مجلس میں آیا وہ ایک فاسق آدمی تھا اور کثرت سے شراب پیتا تھا اور عقائد نہایت برے تھے نہ وہ کبھی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور نہ آپ نے ہی اسے دیکھا تھا جیسے ہی وہ خدمت میں آکر بیٹھا آپ نے اسے سختی سے اٹھا دیا میر عبد الاول نے (جو اس مجلس میں موجود تھے) ادوں میں خیال کیا کہ ایک مسافر آدمی جو خلوص و نیاز مندی سے حاضر ہوا تھا اگر آپ اس کو اس طرح سختی و درشتی سے نہ اٹھا دیتے تو کیا ہرج تھا آپ ان کے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا میں نے اسے اس لئے بھگا دیا کہ وہ مجھے ایک کتے کے بچہ کی صورت میں دکھائی دیا اور کتے کے بچہ کے ساتھ اس نے بہتر معاملت میں نہیں کر سکتا تھا جب میر عبد الاول نے اس کی حقیقت حال معلوم کیا اور اسکے فسق و فجور، کثرت شراب نوشی، اور عقائدِ فاسدہ پر مطلع ہوئے تب یہ سمجھ میں آیا کہ آپ کا اس کو بھگا دینے سے یہی مطلب تھا کہ آپ نے اس کو اس کی صفت کی صورت میں دیکھا تھا۔

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ میانہ پر سوار شیخ بزرگوار ابو بکر نقاشی کے مزار پر جا رہے تھے اور اسے مولانا موسیٰ اور نور الدین اٹھائے ہوئے تھے اور میں ان کے

سمجھے تھا جب دروازہ کے اندر پہنچے تو ایک بلند اور کھلبلی جوتڑہ تھا جس پر آپ کے اعزہ وغیرہ کی کئی قبریں تھیں۔ اسی جوتڑہ پر حافظ جلال الدین کی قبر تھی۔ آپ نے ان اہل قبور کو سلام کیا پھر میری جانب دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب بظاہر مجھ پر منستے تھے کہ کیسا دنیا میں مبتلا ہو گیا ہے پھر فرمایا کہ یہ سب بھی تمہاری ہی طرح بڑے خدمت گزار تھے ذرا سی بے ادبی پر مارے گئے۔

مولانا موسیٰ (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ مجھے یہ خیال تھا کہ میری طرح کوئی اچست اور تیز رو کم ہی ہوگا ایک آپ ماترید کے باغ میں اٹے اور ضعف کا اثر آپ پر ظاہر تھا میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ چستی و چالاکی میں کوئی تمہارے مثل نہیں ہے۔ کیا میرا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا میری کیا مجال۔ فرمایا نہیں تم سمجھتے ہی ہو۔ یہ فرما کر آپ تیز دوڑے۔ فقیر نے ہر چند کوشش کی لیکن کسی طرح آپ کا ساتھ نہ دے سکا (پیش نہ پاسکا)

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ سوار ہو کر تاشکند سے فرکت جا رہے تھے دو خاکت، نام ایک موضع پر جو مولانا سیف الدین کے مزار کیلئے وقف فرمایا تھا اترے آپ کے خادم مولانا شہاب الدین جو بیشتر آپ کی ہم رکابی میں پایادہ چلا کرتے تھے چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں آیا کہ میں ہمیشہ پیادہ ہی گھوڑے کی کاٹھی کے ساتھ چلا کرتا ہوں آپ فوراً ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور غصہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایسی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر میں چاہوں تو تمام شاہانِ عالم کو اپنی کاٹھی کے نیچے کر لوں (تم کیا چیز ہو) بلکہ خطا کے بادشاہ کو جو دین سے بیگانہ ہے اگر چاہوں تو اپنے گھوڑے کے پیچھے چلا کر احسان مند کروں۔

منقول ہے کہ جب پہلی بار حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی خراسان سے آپ کی خدمت میں سمرقند آئے تو افسران (تخصیلا روں) کی ایک جماعت اپنے اپنے محصولات (حسابات) پیش کر رہی تھی اور آپ ہر افسر کے حسابات کی جانچ فرماتے جاتے تھے کہ کس نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے بعض نے چالیس ہزار من بعض نے تیس ہزار من بعض نے بیس ہزار من۔ غلہ بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا، مال و دولت کی اتنی فراوانی دیکھ کر مولانا کو بھی مولانا موسیٰ کی طرح (جن کا واقعہ سابقہ اوراق میں گند چکا ہے) شبہات و خطرات لاحق ہوئے



اچانک مولانا پر غیبت (استغراقی کیفیت) طاری ہوئی دیکھا کہ قیامت قائم ہے میدانِ حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہے اور ہر شخص حیران و پریشان اپنی نجات کے لئے سفارش کرنے والا تلاش کر رہا ہے حضرت مولانا نے بھی حیران و سرگرداں ہو کر جیسے ہی ایک سمت جانا چاہا تھا کہ ایک شخص نے ان کا گریبان پکڑا اور بہت بڑی رقم کا ان پر دعویٰ کیا اور نہایت شدت و اصرار سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا حضرت مولانا یہ صورت حال دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے اور اپنی برات پیش کرنے لگے لیکن اس نے آپ کی ایک نہ سنی اور آپ کا گریبان تھامے بہ اصرار مطالبہ کرتا رہا آپ اس کے مطالبہ پر حیران و پریشان کھڑے تھے کچھ بناے نہ بن رہی تھی اچانک ایک جانب سے حضرت اقدس تشریف لائے صورت حال سے مطلع ہو گئے اور سفارش فرمائی کہ ان کو چھوڑ دو اس نے کہا اگر آپ کفیل ہوں اور ضمانت لیلیں تو میں ان سے دست بردار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں ان کا ضامن ہوں۔ انھیں چھوڑ دو اس نے یہ سن کر مولانا کا گریبان چھوڑ دیا جب ان کو افاقہ ہوا (وہ اپنی اصلی حالت پر آئے) تو حضرت اقدس نے ان کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ آدمی کے پاس کم از کم اتنا تو ہو کہ ... (وقت پڑنے پر لوگوں کی کفالت کر سکے مولانا کو اس مشاہدہ سے بہت ندامت ہوئی اور آپ سے عقیدت اور زائد پختہ ہو گئی)۔

مردی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت اقدس مرزا ابو سعید کے التماس پر سمرقند سے مرو تشریف لے گئے تو حضرت مولانا بھی خراسان سے آپ کی خدمت میں مرو آئے ایک روز مرزا نے آپ کے خدام کے ذریعہ حاضری کے لئے عرض کیا جب آپ نے اسکی عرضداشت قبول فرمائی تو وہ فوراً مرو سے آپ کے استقبال کیلئے تمام باشندوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ (جن میں چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے شامل تھے) آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اور بہت دور سے پایادہ ہو گیا اسکے ساتھ ساتھ تمام ارکان دولت، معززین، وزراء، افسران اور نوکر چاکر وغیرہ سب حکم بموجب حضرت کی جانب روانہ ہوئے اور اس وقت صرف حضرت اقدس اور مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی کے سوا کوئی سوار نہ تھا (سب پیدل چل رہے تھے) کیوں کہ مرزا کے غلاموں کی عرضداشت آپ نے قبول فرمائی تھی اسی اثناء میں مولانا کے دل میں آیا کہ یہ تمام بزرگی و تعظیم و تکریم جو یہ لوگ کر رہے ہیں آپ پر بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں آپ ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور نظر اٹھا کر فرمایا کہ فنا فی اللہ ہونے کے

بعد یہ سب چیزیں نہ اثر انداز ہو سکتی ہیں اور نہ کسی قسم کی تبدیلی لاسکتی ہیں اس واقعہ کو حضرت مولانا نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب، میں نظم فرمایا ہے کہ

مولنا لطف اللہ (جو آپ کے بڑے مخصوص اور مقبول لوگوں میں سے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مولانا رومؒ کے نہایت فضائل و مناقب بیان فرمائے دل میں بڑا متاسف ہوا کہ افسوس میں ہی ان سے شرف نہ حاصل کر سکا۔ میرے اس خطرہ کے آنے ہی آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا رومؒ نے ایک بار ایک شخص کے سامنے حضرت شمس تبریزؒ کے فضائل و مناقب بہت بیان کئے۔ اس نے آپ کے اس بیان فرمانے پر ایک آہ بھری۔ مولانا رومؒ نے اس سے پوچھا کہ کون سی ایسی نعمت ہے جس کے زائل ہو جانے پر تو اس قدر آپیں بھر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا افسوس میں ہی ان کی خدمت میں حاضری اور شرف دیدار سے مشرف نہ ہو سکا۔ ملا صاحب کو یہ سن کر غیرت آئی۔ فرمایا..... اگرچہ تم نے ان کو نہیں دیکھا لیکن اس وقت جس شخص کے سامنے تم بیٹھے ہو ہزار ہا شمس تبریزؒ اسکی زلفوں کے ایک ایک بال میں آویزاں ہیں۔ مجھے یہ سنکر نہایت ذرا مت ہونی لگے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک شب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ حجرہ میں تشریف فرمائے تھے نیز کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ اس فقیر کی طرف نظر عنایت ڈال کر ایک عجیب شکل میں ظاہر ہوئے تھوڑی دیر بعد نور میں ایسا فنا ہوئے کہ نور ہی نور ہو گئے۔ ہر چند میں غور کرتا تھا اس نور کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا کہ نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں اپنے گھر میں زانو پر رکھے بیٹھا تھا۔ اچانک میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر کے در و دیوار اور چھت حضرت کی صورت مبارک سے پڑیں لگے

میر بزدق بیان کرتے تھے کہ میں جب پہلی بار آپ کے شرف محبت سے مشرف ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پر سوار تھے یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ فقیر کو ایسے اعلیٰ گھوڑے کی سواری زیب نہیں دیتی ایک روز آپ جامع مسجد سے اپنے محلہ تشریف لیجا رہے تھے فقیر بھی خدمت میں تھا گھوڑے سے اترنے کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بہترین گھوڑوں پر سوار ہوں۔ تو اس کو میں کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنیادی اسی لئے ہے، میں آپ کے اس فرمانے اور اپنے خطرہ پر آپ کے آگاہ ہوجانے سے بہت نادام ہوا۔ اور یہ چیز میری عقیدت کی زیادتی کا سبب ہو گئی ہے

حضرت مولانا نجم الدین علیہ الرحمہ (جو آپ کے خادم اور کارکن تھے نیز تجارت کے سلسلہ میں کافی عرصہ گزارتے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں کثیر جماعت کے ساتھ "طرفان" جا رہا تھا جو خطا کی سرحد پر ایک شہر ہے۔ ہمارا گذر "قلماق" گروہ کے پاس سے ہوا اچانک سواروں کے ایک گروہ نے جن میں تقریباً سو بہادر۔ زرہ پوش اور ہتھیار بند تھے راستہ روک لیا۔ قافلہ والوں کے یہ دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے اور ان کی جانوں پر بن گئی۔ انہوں نے جان کے خوف سے مال حوالہ کر دینا گوارا کر لیا۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ جنگ سے ہاتھ روک لینا اور حضرت کی رقم اور مال واسباب ڈاکوؤں کے حوالہ کر دینا خلوص و عقیدت اور بہادری و جوانمردی کے خلاف ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ کے مال کی حفاظت میں قتل (شہید) ہو جاؤں۔ یہ چیز دنیا و آخرت میں سرخروی کا سبب ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی جانب متوجہ ہوا اور تلوار نیام سے کھینچ لی۔ تلوار کھینچنا تھا کہ یہ محسوس ہوا جیسے اپنا وجود غائب ہو گیا بلکہ یہ نظر آ رہا تھا کہ میں "میں نہیں رہا ہوں بلکہ آپ کی ذات اقدس میری صورت میں جلوہ گر ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس وقت مجھ میں اور گھوڑے میں ایسی عجیب و غریب کیفیت اور بے پناہ طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ بے احتیاطی ڈاکوؤں پر حملے کرتا تھا اور لگاتار تلوار برساتا تھا آخر کار وہ سب قافلہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ قافلہ والے میری جرات و بہادری دیکھ کر متعجب تھے اور میں ان سے زائد متعجب و متعجب تھا کیونکہ مجھ کو کبھی اس قسم کی بات پیش نہ آئی تھی۔ نہ میں نے کبھی جنگ کی تھی اور نہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ یہ سب تصرف حضرت اقدس ہی کا تھا جو بلا وہم و گمان اور قوت کے مجھ سے ظاہر ہوا۔ واپسی کے بعد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی بات جو آپ نے فرمائی یہ تھی کہ اگر کسی کمزور کا طاقت ور دشمن سے سابقہ پڑ جائے اور وہ خلوص و سچائی سے اپنی طاقت و قوت امکانی سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے اور کام لیتا ہے تو یقیناً وہ طاقت و قوت پہلے ہی سے اسکی مددگار ہو جائے گی اور یہ ہمت اسے مافوق الفطرت قوت عطا کر دے گی اور اس کی وجہ سے وہ دین و ملت کے دشمنوں پر فتح حاصل کرے گا" اے

مرزا سلطان احمد کے ایک امیر خواجہ علیان کرتے تھے کہ میں دیر ق کا افسر تھا اور حضرت اقدس کے اصحاب میں سے ایک شخص جو آپ کے کھیتوں کے نگران تھے گو کہ نیک اور صالح آدمی تھے لیکن کاشتکاری کے سلسلہ میں بالکل ناواقف تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر ان کو برف کر دیا اور قلماق نامی ایک دوسرے شخص کو اس موضع کی

شکرانی سپرد فرمائی میرے دل میں آیا کہ آپ نے ایک دیانتدار اور صالح آدمی کو برطرف کر کے اسکی جگہ ایک خراب آدمی کو نگران کر دیا اس میں کیا مصلحت ہے۔ جب آپ دیرق تشریف لائے تو ایک روز وہاں پہل قدمی فرمایا ہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس وقت بھی یہی بات میرے دل میں آئی آپ میری طرف گھومے اور فرمایا کہ بے ایمان (خوش انتظام) منتظم آدمی کی خدمت اور کارندی اس دیانتدار آدمی سے بہتر ہے جو منتظم نہیں ہے۔ وہ اپنا فائدہ مد نظر رکھتا ہے اور میں اپنا فائدہ۔ میں یہ سنکر بہت شرمندہ ہوا اور یہ چیز میرے عقیدہ کی زیادتی کا سبب ہو گئی ہے۔

میرے عبدالاول بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدس کی توبہ کی برکت سے مجھے بے مانگے ایک نسبت ایسی حاصل ہو گئی تھی جسکی وجہ سے انشراح و طمانیت کی کیفیت رہتی تھی اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا اچانک بغیر کسی ظاہری سبب کے وہ نسبت خاص آپ نے واپس لے لی اور نہایت درشتی و برا فروختگی کا انداز اختیار فرمایا۔ اور قہر و جلال و غیظ و غضب حد سے متجاوز ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا کہ میرا دل آپ کے اس برتاؤ سے آپ کی اطاعت سے باہر آجاتے اور بار بار میرے دل میں یہ آیا کہ میں اس بات کا یقین کروں کہ جو کچھ حضرت کی مجلس میں مجھے حاصل ہوا تھا اور آپ واقعی اس پر مطلع تھے اور اس کی تقویت و تائید میں ایک مدت تک کوشش فرماتے رہے اور توجہات و عنایات کرتے رہے اگر وہ کیفیت قائم رہے والی ہوتی تو اب بھی آپ کیوں نہ اسی طرح توبہ فرماتے رہتے۔ اور اگر میرے اس سلوک میں کوئی نقص تھا تو آپ نے پہلے ہی اس پر کیوں متنبہ نہ فرمایا اور یقینیت پر و مرشد میرے نفس کی درستگی کیوں نہ کی۔ جب ان خیالات کا ہجوم ہوا اور آپ کی سختیاں اور اظہار خنگی بڑھتا ہی رہا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ قیامت کے روز انبیاء و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں پوچھوں گا کہ جب اس کینہ کے گل امور آپ نے اپنے ذمے لے سکے اور عرصہ تک توجہات و عنایات کیں اگر وہ ایسا ہی مشکل تھا تو اسی وقت کیوں نہ ہاتھ کھینچ لیا اور تہنیتی کی۔ جب ان خیالاتِ فاسدہ نے بہت زائد ہجوم کیا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خلوت میں حاضر ہوا ہے

سانے چلے ہیں انھیں قصہ دل بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

اتنا عاجز اور بے طاقت ہو رہا تھا کہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ دل کی بھر اس نکال کر رہوں گا۔ اتفاق سے اس وقت ایک شخص خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے دیکھ کر اسے کسی کام سے باہر بھیج دیا

پھر میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم انبیار و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں مجھ سے مخاصمہ (جھگڑا) کرو گے  
 نقیمت سمجھو اور احسان مانو کہ میں تم سے مخاصمہ نہیں کروں گا۔ تمہارے لئے اس وقت جو بات رنج و ملال  
 کا باعث بنتی ہوئی ہے اس میں میرا ہاتھ ہے تم نے کیوں دستِ بیعت بڑھایا تھا۔ یہ سب تمہارا خود کردہ ہے  
 اس کا علاج بھی تم خود جانتے ہو۔ پھر بہ نگاہِ لطف فرمایا "صبر کرو (ان باتوں پر صبر و شکر کرنا چاہیے) مرید کا  
 اعتقاد پیر کے متعلق تو یہ ہونا چاہیے کہ اسے اس کا یقین ہو کہ پیر پر اسکے تمام احوال روشن ہیں۔ اور یہ کوئی ضروری  
 نہیں ہے کہ ہر بات شرح و بسط سے ہی بیان کی جائے اور وہ شیخ ہی کیا جس کا پیر مشرق میں ہو اور مرید  
 مغرب میں اور وہ مرید کے کل احوال سے واقف اور آگاہ نہ ہو (یعنی ہو سکتا ہے اس میں کوئی مصلحت  
 ہو۔ عارفِ کامل کا طریقہ رشد و ہدایت تو یہ ہے کہ سے

کہ بہ تملطف نرم نیسمے کہ بہ تحکم سخت کمانے

حضرت مولانا جعفر بیان کرتے تھے کہ ابتدائے زمانہ طالب علمی میں میرا دل اولیاء اللہ کے طریقہ  
 کی جانب مائل ہو گیا۔ عالم رویا میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "بندہ کی خدا تک

سے حضرت مولانا جعفر خواجہ صاحب کے خلیفہ اور مخلص ترین اصحاب میں تھے۔ بڑے عالم و عامل و عارفِ کامل  
 تھے۔ بیخودی و استغراقی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو بڑی لمبی قرأت فرماتے  
 اور رکوع و سجد بہت طویل کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی گردشِ چشم کی وجہ سے غلباتِ جذبات ان پر بہت ظاہر تھے بقول  
 شاعرے گردشِ چشم صنم گردشِ جام است اینجا۔ اور کششِ باطنی کے آثار بہت افراط سے تھے۔ خواجہ صاحب نے بہت چلپا کہ مولانا جعفر  
 اپنی نسبتِ باطنی کو کسی شغل ظاہری جیسے تجارت و زراعت میں بھی مشغول رکھیں (یعنی ان کو دیناوی لوارت میں بھی الجھائے رکھا  
 جائے) لیکن نسبتِ استغراق اور کیفیتِ از خود ناکامی طرح ممکن نہ ہو مان کے زمانہ مرضِ الوصال میں حضرت خواجہ صاحب خواجہ کفیر کے محلہ  
 میں نہ تھے بلکہ اپنے کسی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کے مرض کی شدت کا حال معلوم ہوا تو آپ بجلت وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور  
 جب ان کے پاس پہنچے تو وہ وقات پاچے تھے۔ غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد آپ نے اپنے تمام متعلقین کو قیام۔ اصحاب نیز شہر کے  
 خواص و عوام کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس روز بہت شدید لوجھل رہی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب جنازہ کے ہمراہ قبر کے  
 کنارہ آئے۔ قبر کی تیاری میں قدرتی آپ قبر کے کنارہ بیٹھ گئے۔ جب گورن قبر کے باہر آگے تو آپ نے اصحاب کی مدد سے ان  
 کی کنش کو قبر میں اتارا۔ اتارنے کے بعد آپ قبر کے کنارہ کھڑے ہو گئے۔ اور حفاظ نے قرآن مجید پڑھا۔ یہ واقعہ ۱۸۹۳ء میں ہوا۔  
 ان کے سویم کے روز حضرت خواجہ صاحب نے مولانا برہان الدین خٹلانیؒ کی معیت میں بہ سلسلہ تعزیت بہت وافر  
 مقدار میں سالن کچوا یا جس میں اٹھی بکریاں ذبح کیں۔ (رشحات ۱۸۸)

رسائی کب ہوتی ہے“ فرمایا جب اپنے سے فانی ہو جائے۔ جب بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور صبح سویرے ہی مدرسہ سے نکل کر آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اس سے قبل آپ کو دُور سے دیکھا تھا لیکن حاضری کی سعادت سے مشرف نہ ہوا تھا جیسے ہی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ”مولانا جعفر! تم جانتے ہو کہ بندہ خدا لگ کب پہنچتا ہے۔ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کی بندگی میں خود سے فانی ہو جائے“ پھر مولانا روم کا ایک شعر پڑھا ہے

چوں تو نہ بودی کہ بود جملہ خدا بود و بس      چوں تو نہ ماندی کہ ماند جملہ خدا اے گدا

( نہ تھا کچھ تو خدا تھا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا      ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا )

مولانا برہان الدین ختلانی بیان کرتے تھے کہ ایک بار سلطان احمد مرزا نے ساون کے مہینہ میں جب کہ ہوا میں خشکی آچلی تھی۔ ترکستان کے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت اقدس سے بھی ساتھ چلنے کیلئے عرض کیا۔ آپ نے بلا توقف قبول فرمایا اور ہمراہ چلے گئے اور اپنے ساتھ خدام کی ایک جماعت کو بھی لے لیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس سفر میں حضرت اقدس نے نہایت سخت محنت و تکلیف اٹھائی اور آپ کے ساتھ ملازمین و خدام نے بھی۔ کیونکہ ہوا نہایت سرد تھی۔ کئی بار میرے دل میں آیا کہ اگر آپ اس سفر کو اختیار نہ فرماتے تو مرزا کو اصرار کی جرأت نہ پڑتی۔ اب یہ نکل زحمت حضرت اقدس کو اٹھانا پڑ رہا ہے اور ساتھ میں ملازمین و خدام بھی شامل ہیں اور اس سفر سے آپ کو بظاہر کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ میں جتنا ہی ان خیالات کو جھکتا تھا

۱۸۸) رشحات

سے مولانا برہان الدین ختلانی خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے۔ نہایت دانشمند اور عالم مہتر تھے۔ صفر سنی میں ہی فارغ التحصیل ہو گئے۔ چالیس سال آپ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات افذ کئے۔ ان کی لفظ مہر جدائی بھی برداشت بھی۔ سمرقند کے لوگ دشمنوں کو مار زور عالم کہا کرتے تھے ایک نازادہ مولانا عثمان۔ دوسرے مولانا برہان الدین ختلانی۔ آپ نے بھی مولانا جعفر کی رحلت سے آٹھ روز قبل (یعنی ۱۸۹۲ء) وفات پائی۔ خراسان کے ایک طبیب نے مولانا برہان الدین کے علان کے سلسلہ میں بڑی غلطیاں کی تھیں (بہت غلط علاج کیا تھا) ایک روز جب وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بہت غصہ ہوئے اور انہیں سخت سست کہا۔ پھر ان سے فرمایا تم نے ایسے دو آدمیوں کو مارا ہے جن کا روئے زمین ثانی نہیں رکھتی۔ اگر ساتوں آسمان و زمین کے برابر بھی زبرد سرخ ٹاؤ تب بھی ان کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی۔ رشحات ۱۸۹

وہ کسی صورت سے پہچان نہ چھوڑتے تھے اور میں مرزا سے بہت بڑبڑ تھا کہ اس نے بلاوجہ نہ صرف حضرت کو اس پریشانی میں ڈالا بلکہ پوری ایک جماعت کو پریشان کر دیا۔ شاہ خیر نے دو ہی تین روز بعد اپنا ملک شہر میں غل پھا کہ چار پانچ ہزار مغلوں۔ اور نکبوں اور کافران بت پرست نے شاہ خیر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کے اطراف و جوانب میں بہت سے قصبے وغیرہ لوٹ لئے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام شہری روتے پیٹتے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مرزا سلطان احمد اپنے ساتھ کوئی تیلہ شدہ لشکر نہ لاپائے جو ان کا دفاع کرتے۔ اب اس بلا کا دفعیہ بغیر حضور کی توجہ خاص کے ممکن نہیں اور مرزا سلطان احمد بھی مضطرب ہو کر عرض پرداز ہوئے۔ حضرت اقدس چند خدام کے ساتھ باہر آئے اور ان کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور قلب ماہیت کر کے ان سب کو ایسا مستحکم و مطیع و مرعوب کیا کہ تمام لوگوں نے اپنی اپنی گردنوں سے بتوں کی ماا میں نکال کر صحرا میں ڈال دیں اور آپ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے اور تمام پھوٹے بڑے۔ عورت مرد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور تقریباً دو ہزار لڑکی۔ لڑکے عورت۔ مرد۔ آزاد و بندہ اور تقریباً دس ہزار اونٹ۔ گھوڑے۔ گائیں اور دراز گوش وغیرہ جو ان اطراف میں انھوں نے لوٹ مار میں حاصل کیے تھے۔ سب آپ کے قدموں پر ڈال دیئے۔ اپنے ان سب کو ان کے وطن واپس بھیج دیا اور اپنی طرف سے دو خادموں کو ان کے لشکر کے ساتھ کر دیا۔ ایک حافظ تھا تاکہ وہ ان کو قرآن تعلیم کرے اور دوسرا ایک فقیہ جو ان کو مسائل دین سے روشناس کرائے۔ یہ سب بند و بست فرما کر آپ شاہ خیر سے واپس ہوئے پھر مرزا سے کہہ کر سمرقند روانہ ہو گئے۔ مولانا برہان الدین بیان کرتے تھے کہ شاہ خیر سے نکلنے کے بعد راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ مولانا برہان الدین! سفر میں جو کچھ محنت و مشقت ہم نے اٹھائی وہ محض اسی وجہ سے اٹھائی جو تم نے دیکھی“ (اس میں یہی مرزا کا پوشیدہ تھا) مولانا لطف اللہ ختلائی بیان کرتے تھے کہ ایک بار ”واتح“ میں (سمرقند سے چار کوس کے فاصلہ پر

۱۸۹ رشحات

مولانا لطف اللہ ختلائی مولانا برہان الدین ختلائی کے بھانجے اور خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور مقبول صحابہ میں تھے۔ علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے۔ ان پر ہمیشہ بسط کی کیفیت طاری رہتی تھی جس کی وجہ سے بیشتر اوقات تبسم و خنداں رہتے۔ اور اپنی شیریں سخنیں سے حضرت کو بھی ہنسائے رہتے تھے اور حضرت خود بھی کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے۔ ایک روز مولانا سے بطور مزاح ارشاد فرمایا کہ جب تم شادی کرو گے تو کیسی بیوی پسند کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ سبز شیریں۔ فرمایا تم غلط سمجھو تم کو نہیں معلوم۔ تھوڑے دنوں بعد خبری جاتی رہے گی اور سبزی باقی رہ جائے گی۔ پھر فرمایا کہ طالبان حق کیلئے شادی بڑی خواہش ہے پھر یہ شعر پڑھا

کہ ہر آیت باہر ہواست کد رہا کن ترا خدائے بس است (رشحات ۱۸۹)

ایک گاؤں) میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور خدام کی ایک جماعت بھی حاضر تھی۔ آپ کے سامنے شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشی کی "شرح منازل" رکھی ہوئی تھی اور آپ اسی کے سلسلہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ اور خدام سے ساتھ ہی ساتھ استفسار بھی فرماتے جاتے تھے۔ جیسی آپ کی عادت تھی۔ اس وقت میرے دل میں کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ میں خدمت میں عرض کیے۔ فرمایا۔ اس قسم کے گروہ صوفیاء کی باتوں کا (مذاق کا) دوسرا طریقہ ہے۔ یہ مولویانہ باتیں چھوڑو۔ میں خاموش ہو گیا اور سوچتا رہا کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ تو صحیح ہے پھر آپ اسے کیوں نہیں قبول فرماتے۔ اسی اثناء میں غصہ کے آثار آپ پر ظاہر ہوئے اور لہجہ میں سختی پیدا ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا مجھ پر سیکڑوں من کا بوجھ پڑ گیا ہے اور میں بے طاقت ہو کر دہرا ہو گیا ہوں اور حرکت کرنے تک کی قوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کی جانب نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا چہرہ مبارک بڑا ہونا شروع ہوا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کر رہے تھے لیکن مجھے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ پھر چہرہ مبارک تنا بڑا ہو گیا کہ تمام گہر بچھا گیا۔ اور کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ اور میری حالت اتنی غیر ہو گئی تھی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ میری روح پرواز کر جائے گی یہ حالت تھوڑی دیر تک قائم رہی۔ پھر رفتہ رفتہ چہرہ مبارک اپنی اصلی حالت پر آنا شروع ہوا اور میں بھی ہلکا ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ اصلی حالت پر آ گیا اور طبیعت ہلکی ہو گئی۔ اور اہل مجلس ان تمام حالات سے بے خبر تھے۔ اے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار خواجہ کفیر کے محلہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کا جسم مبارک مجھے بہت چھوٹا نظر آیا۔ میرے دل میں آیا کہ ملکوں پر تصرف کرنیوالی ہستی اور اس کا جسم اس قدر مختصر۔ یہ بھی محض عنایت و کرم خداوندی ہے اور کیا کہا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور پھر اسی طرح آپ کا روئے مبارک بڑا ہونا شروع ہوا اور اس حد تک بڑا ہوا کہ پورا حجرہ روئے مبارک سے پُر ہو گیا۔ (یہ دیکھ کر) میں نے اپنے کو ایک کونہ میں ڈال دیا اور حجرہ کی جگہ مجھ پر تنگ ہو گئی اور بدستور سابق حس و حرکت مجھ سے ساقط ہو گئی میں آپ کی آواز سن رہا تھا لیکن یہ نہ سمجھ پا رہا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ یہ حالت بہت دیر تک قائم رہی اور میں بے خود ہو گیا۔ پھر جب اصلی حالت پر واپس آیا تو دیکھا کہ آپ کا روئے مبارک بھی اصلی حالت پر آ گیا ہے اے



مولانا شیخ بیان کرتے تھے کہ جب ابتداء میں مجھ پر آپ کی توجہ و عنایت سے اپنی کوششوں کی بدولت ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور آپ کی تربیت و پرورش و پرداخت اپنا رنگ جانے لگی تو آپ نے مجھ کو زراعت کے کاموں پر مقرر فرمادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امور ظاہری کی مصروفیت کی بنا پر باطنی امور میں کمی پیدا ہو گئی۔ ایک روز میں موقع تلاش کر کے خلوت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا حال دل عرض کرنے کا قصد کیا ہی تھا کہ آپ اپنی روشن ضمیری سے میرے کل احوال پر مشرف ہو گئے۔ اور بغیر میرے عرض کے ارشاد فرمایا کہ (ہمارے طریقہ کی) اس خانوادہ کے کاروبار کی علت غائی اور اصل کلی "خلوت در انجمن" ہے اور یہ ماخوذ ہے آیہ کریمہ *جَالِ لَا تَلْمِصْ مِنْهُ تَجَازًا وَلَا يَمِيعُ مِنْهَا عُنَابٌ* سے اپنا طریقہ مخفی رکھنا۔ کیونکہ غیرت دار محب اپنے محبوب کا حجاب پسند کرتا ہے اور اس طریقہ کے اخفا کیلئے ظاہری امور میں مشغول ہونے کے سوا کوئی اور برقع (طریقہ کار) نہیں ہے پھر میں نے عرض کرنا چاہا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کا جمع کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمت مردانہ کام میں لاؤ۔ اللہ تعالیٰ امیدوں کا برلانے والا ہے۔ اسی اثنا میں میری خامی اور نایافت پر نظر فرمائی اور ایسی توجہ ڈالی کہ جو چیز بڑی کوششوں اور مشقوں سے کبھی کبھی پتہ آتی تھی اچانک باطن پر حملہ کر آئی اور ہمیشہ قائم رہی۔ اور کسی بھی حالت میں کبھی زائل نہ ہوئی۔

مولانا سلطان بیان کرتے تھے کہ ایک روز مرشد برحق کی خدمت میں حاضری کا قصد کر رہا تھا۔

مولانا شیخ احمد امدادلیا کے جلیل القدر خلیفہ اصحاب میں تھے۔ تزکیہ۔ تصفیہ۔ تہذیب اور تربیت غرضکہ تمام صفات آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ پیر بزرگوار سرکار میں ملکی دہائی کاموں کے انتظام کا بہت کچھ تعلق آپ کی رائے پر منحصر تھا شب کو جب اپنے گھر جاتے تو تھوڑی دیر اپنے گھر والوں میں بیٹھے اور کھانا وغیرہ کھاتے جب سب اپنے اپنے بستروں پر لیٹ جلتے تو خود بدولت چادر اوڑھ لیتے اور گوط مار کر صبح تک قبلہ رو ہو کر پیر و مرشد کی نسبت باطنی کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھے رہتے۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں ایک سالس میں اکاون بار ذکر نفی و اثبات کر لیتا ہوں قلب و قالب کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ (رسومات ۱۹۰)

۱۹۱ رسومات ۱۹۱

آپ خواجہ احمد اولادلیا کے مخصوص خلیفہ اور ظاہری و باطنی علوم میں متبحر عالم تھے۔ احمد اولادلیا کی اجازت سے حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر پیر مرشد برحق کی خدمت میں لوٹ آئے اور فوض و برکات حاصل کئے۔

میں نے چاہا کہ توجہ یا مراقبہ کے ذریعہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں لیکن ممکن نہ ہوا۔ بالآخر نفی و اثبات کے ذریعہ کسی قدر حضوری حاصل کی اور اس کی نگہداشت کر کے خدمت میں حاضر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ ”سلطان! کبھی نفی و اثبات بھی کرتے ہو“۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا اس وقت ایک نسبت پیدا ہوئی جو نفی و اثبات کا نتیجہ ہے۔ پھر فرمایا اگرچہ حضور مع اللہ ایک ہی شے ہے لیکن جو نسبتیں توجہ یا مراقبہ یا نفی و اثبات کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا رنگ ہوتا ہے البتہ اس فرق کا پہچانتا ان بزرگوں کا کام ہے جو علم لدنی کے عالم ہیں۔

مولانا خواجہ علی تاشقندی بیان کرتے تھے کہ جب خواجہ احرار الاولیاء نے خراسان سے وطن تشریف لاکر کاشتکاری شروع کی تو اس وقت میں بیس سال کا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ بھی میرے والد پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ اسی دوران میرے طالب علم دوستوں نے مجھے تحصیل علم کیلئے سمرقند جانے کیلئے آمادہ کیا۔ میں ان کے شوق دلانے پر سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا چونکہ آپ سے اجازت لیکر نہیں روانہ ہوا تھا لہذا پہلی ہی منزل میں ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ ایک قدم بھی آگے چلنے کی سکت نہ رہی۔ بخار کی شدت اتنی تھی کہ جسم ٹھن رہا تھا اور سر میں ایسا شدید درد تھا کہ سر پٹھا رہا تھا۔ جب موت کا یقین ہو گیا تو فریاد کرنے لگا کہ لے دو دستو! تم جاؤ اور مجھ کو۔ یہیں چھوڑ دو۔ مجھ میں تو حرکت کرنے تک بھی سکت نہیں رہا ہے۔ جیسے ہی لوٹنے کی نیت کی اسی وقت سے بہتر ہونا شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے تاشقند قریب آجاتا تھا ضعف و کمزوری دوز ہو جاتی تھی۔ جب آپ کے حجرہ میں پہنچا تو بالکل تندرست تھا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا اور مسکرا کر فرمایا۔ کیوں۔ تم سمرقند نہیں گئے۔ مجھ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ نہایت شرمندگی کے ساتھ قدم بوس ہوا اور اپنی بے ادبی کی معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے عنایت فرمائی پھر فرمایا خدمت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھ تم سے بہت کام لینا ہے جب خواجہ احرار الاولیاء مرزا سلطان ابوسعید کی عرضداشت پر تاشقند سے سمرقند روانہ ہونے لگے تو کل کاروبار دنیاوی مولانا

۱۹۱ء رشحات

سے مولانا خواجہ علی تاشقندی حضرت اقدس کے قدیم اور جلیل القدر اصحاب اور خلفائے کارکنوں میں تھے۔ ابتدائے حال میں تاشقند میں شرف قبولیت سے مشرف ہوئے آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے۔

ہی کے سپرد فرمایا۔ اور مولانا کا تصرف اس حد تک پہنچ گیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کی طرف سے بیس بیس خطوط شایان وقت۔ امرار ارباب حکومت (انسران) کو لکھتے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی یہ مجال نہ تھی کہ مولانا کے فرمودات سے سرمور و گردانی اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرتا۔ ۱۷

شیخ حبیب تاجر تاشکنڈی بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرت اقدس تاشقند میں کچھ احباب سے رنجیدہ و منغص ہو کر فرکت روانہ ہو گئے وہ لوگ بھی آپ کے پیچھے پیچھے نیاز مندانہ عذر و معذرت کرتے ہوئے چلے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ "منار" گاؤں میں مولانا سیف الدین مناری کی قبر کے سرہانے مولانا اسماعیل فرکتی ولد مولانا سیف الدین کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں یہ سن کر وہ سب وہاں پہنچ گئے۔ آپ پر اس وقت شان جلال طاری تھی۔ جیسے ہی انہوں نے حجرہ میں قدم رکھا اور جس کی بھی نظر چہرہ اقدس پر پڑی بیہوش ہو کر لوٹنے لگا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا ان سب کی رو میں پرواز کر جائیں۔ صورت حال دیکھ کر مولانا اسماعیل وہاں کے چند مخلصین کے ساتھ کھڑے ہوئے اور سروں کو برہنہ کر کے ان کی جانب سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کے اہتمام پر ان سب کی خطاؤں کو معاف فرمایا اور لطف و کرم کے آثار آپ سے ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ پھر وہ سب کے بعد دیگرے ہوش میں آکر اپنی اصلی حالت پر واپس آئے۔ ۱۸

مولانا زادہ انزاری بیان کرتے تھے کہ میں جب احرار الاولیاء کی خدمت میں شرف قبولیت سے مشرف ہوا تو ایک روز آپ کی مجلس میں میرے دل میں آیا کہ کیا وہ ہے جو حضرت مجھے ذکر تلقین نہیں فرماتے جب اس خیال نے بار بار ستایا تو اچانک آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "ہر کام شخص کے مناسب حال نہیں ہوتا کرو دوسرے لوگوں کے لئے مناسب ہے۔ تمہارا استعداد تو ویسے ہی اچھی ہے تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

(نہ ترک عمل کا رہ کس بود نہ فضل خدا یا رہ کس بود)

۱۹۵ رشتحات

سے شیخ حبیب تاجر تاشکنڈی احرار الاولیاء کے فیاض اور مقبول ترین اصحاب میں تھے۔ معرفت و حقیقت آپ کا شعار اور رجال تاشقند کے گروہ سے آپ کو خاص نسبت تھی۔ نیز خدمت کے سیکر عہد تھے۔ احرار الاولیاء کی طرف سے تاشقند کے شکرخانہ اور مخلصین

و متعلقین کے قیام و طعام کا انتظام وغیرہ آپ ہی کے سپرد تھا۔ رشتحات ۱۹۵

۱۹۵ رشتحات

سے مولانا زادہ انزاری بھی خواجہ احرار الاولیاء کے جلیل القدر خلفا اور مقبول اصحاب میں تھے۔ ان کا اصل نام تو محمد عبداللہ تھا لیکن مولانا زادہ انزاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ احرار الاولیاء کی حیات میں سفر کی اجازت سیکر جاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر شام آتے پھر وبال سے دمشق آکر مستقل سکونت اختیار کیا اور عرصہ تک مرجع طالبان رہے پھر اسکا بیگم دنیا سے جات

فرمائی۔ رشتحات ۱۹۶

۱۵۷ رشتحات

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ابتداً احوال میں جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں ایک غلش یہ رہتی تھی کہ اس سے قبل میں "طبقة عشقیان" کی صحبت میں پہنچ گیا تھا اور کچھ عرصہ ان کے طریقہ کی مشق بھی میں نے کی تھی۔ اب تو میں ان کی محبت و عقیدت کے پھندے سے نکل آیا ہوں ایسا نہ ہو کہ ان کی ارواح کی طرف سے مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ صبح تک یہ خیالات پریشان کرتے رہے جب صبح کو خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا کہ "مشائخ کے کس طبقہ سے تمہارا میل جو رہا ہے؟" عرض کیا کہ یہاں کی حاضری سے قبل "طبقة عشقیان" سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کے طریقہ کی مشق بھی کیا کرتا تھا۔ فرمایا آج رات کو ایسا نظر آیا (مشاہدہ ہوا) کہ ترکی مشائخ کی ایک جماعت بڑے بڑے ہتھیاروں سے لیس ہمارے احاطہ کے چاروں جانب گھوم رہی ہے لیکن (باوجود کوشش) کسی طرح اندر داخل نہ ہو سکی اور نہ نعرہ ہی کر سکی۔ غالباً یہ سب تمہاری وجہ سے ہو گا یہ سن کر میرے اندر سے تمام خیالات پریشان نکل گئے۔ اور مجھے یک گونہ سکون مل گیا اور مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ حضرت کے سایہ شفقت و رافت میں ہمیشہ ہمیشہ آفات ظاہری و باطنی سے محفوظ رہوں گا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ میرے حجرہ میں تشریف لائے اور کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کھانے کا سامان خواجہ علی سے لے لو۔ اور خواجہ علی اس وقت آپ کے کل امور کے نگراں اور مہتمم تھے جب کھانا حاضر کیا گیا تو آپ نے اسکی طرف رغبت نہ فرمائی لیکن اور لوگوں نے کھایا۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کھانے میں کچھ بے احتیاطی ہوئی ہے اور بہت تاکید سے فرمایا کہ اس بات کی تحقیق کرنا چاہئے بہت چھان بین کے بعد یہ پتہ چلا کہ ایندھن کے سلسلہ میں کچھ سہو (قصور) ہوا ہے۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوئی تو غصہ اُگیا اور فرمایا کہ خیر عمل کا دارا مدار اکلِ حلال پر ہے جس میں بہت احتیاط کرنا چاہئے۔ کیونکہ بدن میں جو کچھ پہنچتا ہے اس کا اثر سالک کے تمام اعضا پر ہوتا ہے۔ یہ تمام بے لطفی اور پریشانی جو تم دیکھتے ہو بیشتر مشبہ کھانے کے باعث ہوتی ہے۔

بعض خدام بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت اقدس نقرار کی ایک جماعت کے ساتھ ایک مخلص

کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ محفل خوب گرم تھی اور آپ کے تصرف کا اثر تمام حضار پر طاری تھا۔ حتیٰ کہ جو شخص بھی اس وقت مجلس میں آکر بیٹھتا اس کیفیت میں ایسا محو ہو جاتا کہ (چاہنے کے باوجود) وہاں سے نہ اٹھ سکتا۔ اسی اثنا میں کھانا لایا گیا۔ مولانا زادہ پر ایسا شدید استغراق طاری تھا اور وہ اپنے سے اس حد تک غائب اور بے خبر تھے کہ ہر چند لوگوں نے انھیں چونکانا چاہا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اچانک حضرت اقدس کی نظر اس جانب اٹھی تو دیکھا کہ ایک شخص مولانا زادہ کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر غصہ آگیا اور فرمایا۔ کیوں بے ادبی کر رہے ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہر شخص اپنی حسب استعداد و قابلیت ہم سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل کرتا ہے۔ مولانا زادہ بھی اس وقت ہم سے ایسی حالت سے مشرف ہیں کہ دونوں جہانوں سے بے خبر ہیں۔ اگر تم کو ان کی اس حالت و کیفیت کا علم ہو جائے تو اس کے رشک میں کھانے کی لذت ہی تم بھول جاؤ۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

ایں شیوہ عشق ہر خسے رانہ بود      ایں واقعہ ہر بواہو سے رانہ بود

منکر چہ شوی بہ حالت زندہ دلاں      نے ہر چہ ترانیت کے رانہ بود

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت اقدس مجتبیٰ ذاتیہ بر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں مجتبیٰ ذاتیہ سے مراد حضرت حق کے ساتھ بغیر کسی وجہ اور سبب کے ربط و عشق ہے۔ بلکہ ایسا میل و انجذاب جس کے دفع کرنے پر اختیار نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ تاشقند کے اطراف میں دو لڑکوں میں یہ نسبت دیکھی۔ ایک تو ہمیشہ ہمارے حلقہ کے چاروں طرف پھرا کرتا تھا۔ اور کبھی دور پر گردن جھکاتے بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز جب میں وضو کے لیے اٹھا اور لوٹا اٹھا کر وٹو کیا تو اس سے یہاں آنے اور حلقہ کے گرد گھومنے کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا سبب تو میں جانتا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جس وقت یہاں آتا ہوں تو اپنے باطن میں حضرت حق کے ساتھ ایک کشش اور جذبہ شوق پاتا ہوں اور اپنے کو تمام خواہشات سے بڑی سمجھتا ہوں اور اس سے مجھے بڑی لذت ملتی ہے اور جس وقت یہاں سے باہر نکلتا ہوں تو اس نسبت سے محروم ہو جاتا ہوں۔ (اور جو دوسرا لڑکا تھا وہ نہایت حسین و جمیل تھا۔ اور ہمارے اصحاب کے ساتھ انس رکھتا تھا۔ اور اس اطراف میں بکثرت لوگ

اس سے دنی مجت رکھتے تھے۔ اور اس ریل قلبی پر اکثر اختیار ہمارے اصحاب کو نشانہ ملامت بناتے تھے۔ میں نے کہا اس سے کہو چلا جائے۔ چنانچہ اس سے بہت اصرار کیا گیا اور اس کو وہاں سے دور کرنا چاہا لیکن وہ کسی طرح جانے کو تیار نہ ہوا۔ جب بہت کہا گیا تو اس نے رونا شروع کر دیا اور بہت بیتاب ہو کر کہنے لگا کہ میرے یہاں نہ آنے سے تم کو کیا ملے گا۔

(جانِ نثار دیوانہ یہ تو بتا برہم کیوں ہے ہم جو مجت کرتے ہیں تجھ سے ترا کیا جاتا ہے)

باہر لوگ مجھے پریشان کرتے ہیں اور میرا دل خواہشات کی کشاکش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وسوسے مجھے گمراہ لیتے ہیں اور اس کیفیت حضوری و جمعیت باطنی سے جو اس حلقہ میں مجھے ہوتی ہے محروم ہو جاتا ہوں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اسے دل کے ہاتھوں معذور و مجبور سمجھ کر اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ اس نسبت سے ایسا مغلوب ہو گیا کہ اکثر اوقات اس عالم وارفتگی میں اپنے گھر کا راستہ تک بھول جاتا۔ اور جب کبھی مجھے اس سے کوئی کام ہوتا تو قبل اس کے کہ میں اس سے وہ کام کرنے کو کہوں پہلے ہی سے وہ کام کر دیتا تھا یا کرتا ہوتا تھا۔ اور یہ قبول صورت رکھا جس کے سلسلہ میں حضرت فرماتے تھے مولانا نور الدین تاشکندی تھے لے

سے مولانا نور الدین تاشکندی احرار الاولیاء کے خلیفہ درمنوسلین میں آپ کے بہت نزدیک تھے۔ آغاز شباب بلکہ بچپن سے ہی آپ کی محبت کا تصور اپنے دل میں رکھا کرتے تھے۔

آتانی ہونہا قبل ان اعرف الہوی۔ فصادق قلبی خالیہ فتمکن بالکل ان کے حسب حال تھا

(میرے پاس اس کی محبت آئی قبل اس کے کہ میں محبت کو پہچانوں۔ اور چونکہ میرا قلب خالی تھا وہ اس میں گھس گئی اور قیام اختیار کر لیا)

وہاں کے ابتدائی سال یعنی ۱۸۴۰ء میں نیپلرنگ کا ایک دانہ جو طامون کی علامت تھا احرار اولیاء کے بائیں پہلو پر برآمد ہوا۔ فنانی اسکی کا ثبوت دیتے ہوئے مرشد برحق کے اس دانہ کو اپنے اوپر لے لیا اور خود کو اس پر قربان کر لیا اس وقت وہ دانہ مونسنا کے پہلو پر منتقل ہو گیا۔ خواجہ صاحب صحیاب ہو گئے اور تیس روز بعد مونسنا رحلت فرما گئے۔ رشحات ۱۹۷۔

ادکار ابرار ۱۷۷  
لے رشحات ۱۹۷

مولانا صمد الدین اتراری بیان کرتے تھے کہ ابتداء حال میں جب کہ سمرقند والے احرار الاولیاء سے واقف بھی نہ تھے۔ ایک جماعت تاشقند سے آئی ہوئی تھی ان میں سے بعض لوگ حضرت اقدس کے فضائل و خصائل۔ خرق عادات۔ امور عجیبہ اور کمالاتِ باطنی کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ عجیب و غریب خبریں اور کرامتیں سن کر (جو سوا اولیاء اللہ کے دوسرے میں نہیں ہو سکتیں) مجھے شدت سے شوق قدم پوسی پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ دل ایک پیکر ناز و حسن پر فریفتہ تھا اور اس حسین منظر سے آنکھ لڑی ہوئی تھی لہذا سمرقند چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب متواتر یہ خبریں سننا رہا تو باوجود گرفتاریِ دل کے طالبین کی ایک جماعت کے ساتھ تاشقند روانہ ہو گیا۔ جب تاشقند پہنچا تو آپ اس وقت باغستان (جو تاشقند کا ایک بہار ہے) میں تشریف فرما تھے۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس سے کہیں زائد پایا جیسا سنا تھا چند روز بعد موسم بہار آیا جو عشق و محبت کے سلسلہ کا محرک ہوتا ہے۔ ادھر بہار کی شادابی۔ ادھر اس جوان کی محبت کی نشورش اور ولولہ اور رخا عشق کی چھین ان سب باتوں نے دل کو بے چین کر دیا۔ میں نے چاہا کہ آپ سے اجازت مانگ کر "لب آب کوہک" کی سیر کو جاؤں اور وہاں اس جوان سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ میں اجازت مانگنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت نہ دی جب نوری صبح ہوئی تو اس جوان کی یاد شدت سے ستانے لگی۔ اور بلا کارنج طاری ہو گیا اسی دوران ایک روز حضرت اقدس اپنے چند اصحاب کے ساتھ سوار ہو کر ایک گاؤں کی جانب روانہ ہوئے اور مجھے بھی اپنی ہم کابی کا شرف عطا فرمایا لیکن اس سیر صحرا میں بھی میرا دل بالکل نہ بہلا کیوں کہ وہ اس جوان اور "لب آب کوہک" کی سیر کی طرف ہمہ تن متوجہ تھا۔

(ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل را نگاں سعی التفات گئی)

اور میں اس صورت حال سے نہایت شرمندہ تھا۔ اچانک ایک لالہ زار کے قریب سے گزرے اور گھوٹے کی پیٹھ سے دست مبارک بڑھا کر لالہ کا ایک پھول توڑا اور مجھے دیکر فرمایا کہ "مولانا صمد الدین! تم کو شرم نہیں آتی کہ ایسی صحبت۔ سیر صحرا۔ اور لالہ زار میں تم اس جوان کی یاد اور "لب آب کوہک" کی سیر کو یاد کر رہے ہو۔" آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میں سر سے پیر تک پسینہ پسینہ ہو گیا آپ نے

مولانا صمد الدین اتراری احرار الاولیاء کے خلیفہ نیز خدام اور مقبولین میں تھے۔ اور مولانا زاہد اتراری کے برادر اصغر تھے۔ آپ کا

زائد حال دریافت نہ ہو سکا

جب میری حالت ندامت ملاحظہ فرمائی تو اسی وقت ایسی توجہ و عنایت فرمائی کہ اس جوان کی محبت اور تعلق میرے دل سے کیلخت مٹ گیا اور اس کی جگہ حضرت اقدس کی محبت نے ڈیرہ ڈال دیا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب سلطان ابو سعید مرزا نے سمرقند فتح کیا اور حضرت اقدس اس کی درخواست پر تاشقند سے سمرقند آئے تو ایک روز اپنا مستقر طے کرنے کیلئے (یعنی کس جگہ قیام کیا جائے) سمرقند کے باہر محلات اور باغات میں سیر فرما رہے تھے چلتے چلتے خواجہ کفشیہ کے محلہ میں پہنچے اور اس جگہ کو پسند فرما کر منتخب کر لیا۔ اور میں بھی اس سیر کے دوران آپ کے ہمراہ تھا۔ جب رات ہوئی اور آپ استراحت فرمانے کیلئے تشریف لیگئے تو میرے دل میں آیا کہ آپ آج بہت تھک گئے ہوں گے اور میں خود سے اس کی جرأت اور بے ادبی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر حکم کے آپ کے سامنے جاؤں اور خدمت کر دوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود بدولت اس کا حکم فرماتے۔ میں ارشاد کا منتظر تھا کہ اچانک آپ نے فرمایا۔ مولانا ناصر الدین! تم بھی بہت تھک گئے ہو گے۔ اگر نہ تھکے ہو تو آؤ۔ میرے لئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔ چنانچہ میں دوڑ کر خدمت میں مشغول ہو گیا۔

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب میں ابتدائے حال میں سمرقند سے تاشقند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں ایک بہت بڑے عالم تھے جو فن منطق میں منفرد اور تمام علوم ریاضی میں نہایت متبحر تھے۔ ان کا نام مولانا میر جمال تھا وہ فلندری لباس یعنی گڈری پہنا کرتے تھے اور تارکِ صلوة تھے۔ محرمات کے ارتکاب میں نہایت دلیر اور بے جیا۔ نیز مشائخ کرام اور اولیائے عظام کے طریقہ کے منکر تھے اور ہر وقت حضرت کی غیبت کرتے اور آپ کے بارہ میں ناشائستہ کلمات اور بے ادبائی باتیں کہا کرتے تھے۔ ایک روز میں ایک مجمع میں تھا اور وہ بھی وہاں تھے اور حضرت اقدس کے بارہ میں حسب معمول سرگرم لاف تھے اور اپنی کمینگی اور خبیث نفس کا مظاہرہ کر رہے تھے جب مجھ کو دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ میں بھی آپ کے خدام میں سے ہوں مجھ سے الجھنا شروع کر دیا۔ (اعراضات شروع کر دیئے) اور کہنے لگے کہ تم بھی کس کے معتقد ہو گئے جس کے پاس نہ علم ہے اور نہ حال۔ نہ ذکر ہے نہ خلوص۔ میں آج اس کی مجلس میں آؤں گا اور اس سے چپا کر بھنگ کھاؤں گا اور اس کو حکم دوں گا کہ فلاں فلاں



کھانا اور حلوا میرے لئے منگوائے تاکہ تم دیکھ لو کہ اس کا نہ کوئی باطن ہے اور نہ حال۔ اور اس کا عمل کوئی اصلیت و حقیقت نہیں دکھتا۔ میرے دل کو اس کی ان باتوں سے سخت چوٹ لگی لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ پھر وہاں سے غمگین و افسردہ اٹھ کر حضرت کی خدمت میں روانہ ہوا اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے اپنے تین چیلوں کے ساتھ جو اس سمسٹر اور کینڈین میں شریک تھے روانہ ہونے اور سب ایک ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اور میں نہایت پریشان اور متفکر تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو) وہ کینڈین پھر کوئی بے حیائی اور بے ادبی نہ کرے۔ جب وہ بیٹھے تو گفتگو کرنے سے قبل حضرت سے چپا کر تھوڑی بھنگ نکالی اور منہ میں رکھ لی انگٹا چاہا تھا کہ وہ حلق میں پھنس گئی۔ (حالت اتنی نازک ہو گئی کہ سانس رک گئی۔ لاکھ کوشش کی لیکن وہ کسی طرح حلق سے نیچے نہ اتری۔ اور حالت غیر ہو گئی۔) آخر کار (حضرت اقدس کے حکم سے ان کی گدی پر زور زور سے گھونسنے مارے گئے جس کی وجہ سے وہ بھنگ ان کی حلق سے نکل کر بیچ مجلس میں گر پڑی۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین ہنسنے لگے اور وہ اس بڑی طرح شرمندہ ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اسی شرمندگی میں اپنے چیلوں کے ساتھ حضرت کی مجلس سے باہر آئے اور یہ قصہ پورے تاشقند میں مشہور ہو گیا اور وہ بہت بدنام و رسوا ہوئے۔ اور پھر وہاں سے ایسے بھاگے کہ ان کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس نے ایک روز ہندو خواجہ ترکستانی کو ایک صحرا میں محو طیران دیکھا کہ بلند پرواز چڑیوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں آپ کو ان کا یہ طریقہ (الہبار کرامت) پسند آیا۔ نہایت برہم ہوئے اور اسی وقت ان کی وہ کیفیت سلب کر لی۔ اور وہ ہوا سے اس طرح زمین پر گرے کہ ہڈیاں تک ٹوٹ گئیں اور وہ نہایت بے نسبت اور اجنبی ہو کر رہ گئے۔ پھر اٹھ کر نہایت نیاز مندانه عذر خواہ ہوئے اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر منت و سماجت اور گریہ و زاری کرنے لگے

۱۹۸۰ء ہندو خواجہ ترکستانی حضرت اقدس کے مقبول اور منظور نظر متوسلین میں تھے اور آپ کے پرنے ساتھیوں میں تھے۔ وہ ایک جوان سال سپاہی تھے اور ترکستان کے ان شیخ زادوں میں تھے جن پر حضرت اقدس نے عنایت فرمائی اور ان کو ایک شغل باطنی تلقین فرمایا۔ ان سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ وہ ایک وجیہ اور بارعب آدمی تھے اور جذبی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی۔ رشحات ۱۹۹ء

لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ تقریباً ایک سال اسی بے توجہی میں گذر گیا۔ آخر کار صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور جھلبلا کر حضرت سے تعلق اور بے ادبیاں شروع کر دیں۔ ایک روز کچھ لگے کہ میری نسبت و حالت جو آپ نے بریلو کر دی ہے اگر واپس کر دیں تو خیر ورنہ میں آپ کو قتل کر دوں گا جب بھی قابو پاؤں گا۔ یا اپنے کو ہلاک کر لوں گا۔ جب آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی تو وہ ہر وقت آپ کی تاک میں رہنے لگے۔ ایک روز حضرت کو باغ کے ایک کونہ میں پیدل اور تنہا پا کر چہرے سے حملہ کر دیا۔ وہاں کوئی جگہ بچاؤ کی نہ تھی۔ آپ نے اپنے کو بطریق خلع لبس ایک چرواہے کی صورت میں تبدیل کیا یعنی سر پر سیاہ بالوں کی ٹوپی جسم پر سفید ریشمی قبا اور ہاتھ میں چرواہوں والی مضبوط لٹھی جب انہوں نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا تو اپنا ہاتھ روک لیا اور متعجب و متحیر ہو کر اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور ہاتھ پیروں کی حرکت جاتی رہی۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا اور اپنی اصل صورت میں آکر تبسم فرمایا۔ اور فرمایا کہ اب بتاؤ اگر میں تم کو اس چہرے سے قتل کر دوں تو تم کیا کرو گے۔ وہ یہ دیکھ کر آپ کے سامنے زمین پر اپنا منہ گڑنے لگے اور زار و قطار رونے لگے اور نہایت درد سے فریاد کرنے لگے۔ آخر حضرت کو ان پر رحم آ گیا اور ان کو ان کی باطنی نسبت واپس کر دی۔ پھر انہوں نے آپ کے دست مبارک پر یہ عہد کیا کہ اب آئندہ اس قسم کی کوئی کراہت نہ دکھائیں گے۔ اور خوارقِ عادات کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کے کمان میں حتی الامکان کوشش کریں گے۔

مولانا اسماعیل فرکتی بیان کرتے تھے کہ میں ابتدائے حال میں آپ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے فرکت سے تاشقند آیا تو آپ نے میرے والد کی اس نسبت و ارادت کا خیال کرتے ہوئے جو انکو حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ سے تھی مجھ پر بری توجہ و عنایت فرمائی اور اسی مجلس میں آپ کی عنایت کی برکت سے ایک عظیم نسبت اور قوی جمعیت حاصل ہوئی۔ جو مسرت و خوشی اور انبساط باطنی کا سبب بنی رات میں خواب دیکھا کہ ایک سفید باز میرے ہاتھ پر بیٹھا ہوا ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ اچانک وہ میرے ہاتھ سے اڑ گیا۔ جب بیدار ہوا تو شدت سے حالت قبض اور

۱۹۹ شمات ۱۹۹۱ء مولانا اسماعیل فرکتی احرار الاولیاء کے مقبول اصحاب میں تھے اور مولانا سیف الدین مناری کے صاحبزادے تھے جو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہار الدین قدس سرہ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے جن کا ذکر اس کتاب میں گذر چکا ہے

رنج و غم پیدا ہوا۔ اور اس نسبت و طمانیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ صبح کو خدمت میں نہایت ملول و غمگین حاضر ہوا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے جواب عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو صحبت میں بہت اچھی نسبت حاصل ہوئی تھی لیکن جب تم سو گئے تو وہ نسبت جاتی رہی۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس سے کسب معارف اور اخذ حقائق کیا جاسکتا ہے اور باز کو جو تم نے دیکھا تو وہ اسباب صید میں سے ہے۔ غمگین نہ ہو شاید وہ باز دوبارہ ہاتھ آجائے۔ یہ فرماتے وقت ایسی توجہ فرمائی کہ اسی مجلس میں وہی طمانیت قلبی اور گمشدہ نسبت حاصل ہو گئی۔ اور وہ قبض اور رنج و ملال مُبَدَل بہ النشراح و انبساطِ باطن ہو گیا اور سرورِ عظیم حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ اور مشاہدہ کے بعد پھر میں کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ اور آپ سے میرے تعلق خاطر کا یہی سبب ہوا ہے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت اقدس کے اصحاب کی ایک جماعت فرکت میں میرے گھر پر تھی اور صحبت بڑی دلچسپ تھی۔ اس وقت سب لوگوں کے دلوں میں یہ آیا کہ کاش کیا ہی اچھا ہوتا اگر حضرت بھی یہاں تشریف فرما ہوتے۔ (اتفاقاً) اسی وقت حضرت اقدس بھی تاشقند سے تشریف لائے اور اس مجلس میں آکر بیٹھ گئے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ جب آپ کی نظر ان اجاب پر پڑی اور سب کو خوش اور مطمئن دیکھا تو یہ شعر پڑھا ہے

بر شکر ظلیداے سودائیاں از برائے کوری صفرائیاں  
اے سودائیو! شکر پر لوٹو صفرائیوں کے اندھے پن کی وجہ سے

(یعنی اے سودائی مزاج رکھنے والے عشاق ذات تم کو وہ شیرینی نصیب ہوئی جو رسول اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں *هو اللہ احد* کے مشاہدے سے حاصل ہوئی تھی یہ شیرینی صفراوی مزاج رکھنے والوں کے لئے مضر ہے اور ان کو یافت ذات سے اندھا (محرور) کر دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ علمائے ظاہر (علمائے سور) علمائے راسخین کے مقام سے نابلد رہتے ہیں)

آپ کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ سب پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ یکبارگی لوٹنے لگے اور بہت دیر تک مدہوش پڑے رہے۔ پھر آپ کی توجہ سے سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوش میں آتے گئے۔ ہر ایک کو عجیب و غریب کیفیت حاصل ہو گئی تھی۔ اور اس کا اثر ہر شخص کی قابلیت و استعداد کے مطابق بعض کے باطن میں تین روز تک۔ بعض میں ایک ہفتہ تک اور بعض میں دس روز تک بلکہ اس سے بھی زیادہ باقی رہا۔ (رشحات ۱۹۹)

عہدہ اراکوں کے منجملہ خلفاء کے تین خلفاء اور بھی تھے جن میں سے ایک خلیفہ مولانا اسماعیل قمری دوسرے مولانا اسماعیل شمسی۔ تیسرے مولانا اسماعیل ثالث تھے۔ مولانا اسماعیل قمری اور مولانا اسماعیل شمسی دونوں تبریز کے رہنے والے تھے مولانا اسماعیل قمری نہایت دانشمند اور متقی تھے ہر رات سے سمرقند آئے اور حضرت کی ملازمت اختیار کی۔ اکثر اوقات آپ کے ہمراہ سوار ہوتے اور حضرت نو ذمہ کبھی کبھی مجالس میں ان سے علمی مباحثہ فرماتے تھے۔ ان پر نسبت علمی غالب تھی۔ مولانا اسماعیل شمسی نہایت صاحب اہلیت و استعداد تھے۔ حضرت اقدس سے تعلیم سے شرف تھے۔ شغل باطنی کے آثار ان سے ظاہر تھے۔ مولانا اسماعیل قمری کے ہمراہ آئے۔ چونکہ دونوں ہم نام تھے لہذا سب لوگ دونوں میں امتیاز دینے کے لئے ایک کو مولانا اسماعیل قمری اور دوسرے کو مولانا اسماعیل شمسی کہنے لگے۔ چنانچہ وہ اسی سے مشہور ہو گئے۔ چند سال بعد حضرت اقدس نے ان کو تاشقند میں اپنے تعمیر کردہ مدرسہ میں درس و تدریس کے کام پر مامور فرما دیا۔ چنانچہ وہ بقیہ عمر وہیں رہے۔

مولانا اسماعیل ثالث ایک خوش طبع طالب علم اور کتب مروجہ کے عالم تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ہر رات سے سمرقند آئے ان ایام میں مولانا اسماعیل قمری اور مولانا اسماعیل شمسی دونوں حضرت کی خدمت میں تھے لہذا اصحاب نے ان کو مولانا اسماعیل ثالث سے یاد کیا چنانچہ وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض لوگ بیان کرتے تھے کہ ان کے سمرقند آنے سے چند روز قبل حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک قابل آدمی میرے لئے آ رہا ہے۔ انھیں ایام میں مولانا اسماعیل ثالث ہر رات سے آئے اور حضرت اقدس نے ان پر بہت عنایت فرمائی۔ اتفاق سے اس وقت اس مجلس میں انگور رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان میں سے ایک خوشہ اٹھا کر ان کو عطا فرمایا اور ان پر ایسا تصرف فرمایا کہ ان کا حال متغیر ہو گیا اور غیبت و پیچودگی کی ایسی کیفیت ان پر طاری ہوئی کہ وہ خوشہ ہاتھ سے چھوٹ کر ان کی گود میں گر پڑا۔ اور وہ دیر تک اسی غیبت و پیچودگی کی حالت میں پڑے رہے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ وہ ایک قداؤ اور قوی ہیکل آدمی تھے۔ جب تک حضرت اقدس جیات رہے وہ مردانہ وار آپ کی خدمت کرتے رہے اور سفر و حضر میں موجود رہے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حجاز چلے گئے اور حرم مکہ میں مجاورت کی نیت سے مستقل سکونت اختیار کی اور اس سہولت میں مرجع خلافت رہے۔ (رشحات ۲۰۱)

# واقعہ وصال

الان اولیاء اللہ لا یموتون بل ہمہ یثقلون من داء الی داء

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے کبھی اس گھر میں جا اترے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے  
 اس محفل اشک و آہ اور منزل آب و گل میں آپ کا وجود باوجود وہ نعمت عظمیٰ  
 اور انعام غیر مترقبہ تھا جس سے محرومی اس دور کی سب سے بڑی بد قسمتی شمار ہو سکتی ہے اپنی عزیز الو جو  
 کے تقریباً نو اسی سال تک رشتہ ناسوتی میں منسلک رہنے کے بعد اب وہ وقت آ گیا تھا کہ جزو کل میں  
 مل جائے وہ ہستی جو عالم مستی میں بھی باہوش و باکمال رہی جو دینی جلال و جبروت کا ایسا نمونہ تھی  
 جس سے بڑے بڑے سلاطین لرزتے تھے جس کے چشم و ابرو کے اشاروں اور کنایوں پر امر و  
 سر تسلیم خم کر دیتے تھے جس کے تیار نظر سے ملکوں کے قضیے فیصلہ ہوتے تھے جس کے حلقہ  
 اقتدار کی وسعت سے ہزاروں بندگان خدا محفوظ و مامون تھے جس کا ایک ایک لفظ خلاق خدا کے غموں  
 کو دور کرنے کے مرہم ڈھونڈھتا رہتا تھا جس کا دل تمام دولت سرمد کے ساز و برگ رکھنے  
 کے باوجود معرفت و محبت الہی سے معمور رہا جس کا ہر بن موزبان <sup>حال</sup> سے یہ اعلان کرتا رہا ہے  
 بخدا کہ سینہ ام را بشکاف و جاں بروں کن کہ درون خانہ تو دگرے چہ کار دارد  
 جس میں غیر اللہ اور ماسویٰ کی کہیں گنجائش نہ تھی جس کے خانہ دل پر اس  
 حسن ازل کا قبضہ تھا جس کی تجلیوں نے ان کی ہستی کو سراپا نور ہی نور کر دیا تھا اور جس کے باعث  
 تسخیر قلوب کا وہ اسم اعظم ان کو عنایت ہوا تھا کہ ساری ان کے قدموں پر سر نیاز خم کرتی رہتی تھی  
 جن کی ظاہری دولت و ثروت اور انفرادی متاع دنیا ان کی نظروں میں ایک ذرہ خاک کی سے بھی حقیر  
 درجہ رکھتی تھی جو دولت کونین کو املاک حق سمجھ کر خلق عامہ کی فلاح و بہبودی اور راحت  
 رسانیوں کا ذریعہ بنائے رہے یہی دولت جو اہل دنیا کے لئے عذاب جان اور برباد کن  
 عاقبت بن سکتی ہے وہ اس کے ہاتھوں منار و عامہ کا ایسا کارآمد اور موثر ذریعہ بنی کہ اس کے شجر

طوبی کے سایہ میں لوگ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے اور خوش وقت و خوش حال رہے جس نے باہم یک دگر مخالف بادشاہوں کی سرحدوں کی نشاندہی کی اور ان کے حلقہ اقتدار کو تشخیص اور مقرر کر کے ان کو صلح و آشتی کی سعادت سے نوازا۔ اب وہ وقت موعود آگیا تھا کہ جاہ و جلال - کرد و فر - رعب و داب اور افواجِ ظفر موج رکھتے ہوئے بھی ان تمام بادشاہوں کے تاج سرنگوں سے جائیں طالبِ مطلوب سے جا ملے اور جب وہ چشمِ ظاہر سے پردہ فرمائے تو اپنے تصرفِ باطنی کا ایک مستقل اور پائدار اثر چھوڑ جائے اور جس کے سلسلہ کے بابت بزرگ اس روحانی منبعِ فروزان سے اکتسابِ نور کر کے زہد و ورع، تقویٰ اور کمالاتِ روحانی میں سرآمد روزگار ہو کر نقشبندی کے کارہائیس میں مشغول رہیں آج بھی نقشبندیہ سلسلہ شرع پر سخی سے کار بند اور اپنے مشغلہ حسیں میں نمایاں مقام رکھتا ہے جس کے بزرگوں میں سادگی و پرکاری - بے خودی و ہشیاری کے اوصاف نمایاں رہے۔

رشتات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب دوبارہ راقمِ حروف ۲۲ ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں آستانِ بوسی سے متصرف ہوا تو ایک روز آپ اپنی عمر شریف کے سلسلہ میں گفتگو فرما رہے تھے اسی دوران فرمایا کہ تین سال چار ماہ بعد میری عمر کے نوے سال پورے ہو جائیں گے (یعنی عمر میں تین سال چار ماہ اور جوڑ دیئے جائیں) آپ کے مرض کی ابتدا ہر یکم محرم الحرام ۱۲۹۵ھ سے ہوئی اور وفات اسی سال ۲۹ ربیع الاول کو ہوئی یعنی کل ایامِ مرض کی تعداد تو اسی روز رہی وفات سے بارہ روز قبل فرمایا کہ اگر زندگی باقی رہی تو پانچ ماہ بعد تو اسی سال پورے ہو کر عمر نوے میں داخل ہو جائے گی بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں بھید یہ ہے کہ آپ کے مرض کی میعاد بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی مدت کے مطابق ہوئی گویا اس حدیث شریف ستمش یوماً کفارۃ سنۃ (ایک دن کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے) کے معنی متحقق ہو گئے۔

مولانا محمد قاضی اپنے سموعات میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت اقدس جب پہلی بار علیل ہوئے تو مجھے طبیب بلانے کے لئے ہرات بھیجا مولانا قاسم علیہ الرحمۃ اس وقت صحت مند تھے۔“

سے مولانا قاسم خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے اور آپ کے اس حد تک مقبول تھے کہ سب بقیدِ اعلیٰ منگو پر

مجھ سے بہت اصرار سے فرمایا کہ جاؤ اور جلد طبیب کو لے آؤ۔ مجھ سے حضرت کی تکلیف اب دیکھی نہیں جاتی

بقیہ حاشیہ۔ لوگ آپ کو سایہ خواہ اجرار کہتے تھے۔ پیر کی اتباع اور فنا فی الشیخی میں درجہ کمال پر فائز تھے جس کا بین ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ استغراق توحیدی آپ پر غالب تھا جس کی وجہ سے اکثر بے خود رہا کرتے تھے ابتداء میں حضرت کے باغ کی دیکھ بھال آپ کے سپرد تھی روزانہ صبح کو پھاؤڑا کندھے پر سنبھال باغ چلے جاتے تھے۔ جاتے وقت ان کی بیوی چند روٹیاں پکا کر جیب میں رکھ دیا کرتی تھیں شام تک پھاؤڑا چلاتے شب میں واپسی پر جیب کپڑے اتارتے تو وہ روٹیاں جیب ہی میں رکھی ہوتی تھیں۔ طریقہ خواجگان میں ایسے کھو جاتے تھے کہ یہ یاد ہی نہ رہتا تھا کہ ان روٹیوں کو کھانا چاہئے یا جیب میں رکھنا چاہئے۔ یہ سچ ہے کہ مل گئی بے خودی شوق سے راحت کیسی ہوگی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

ایک روز حضرت اقدس اپنے گاؤں میں ایک خیمہ میں تشریف فرما حقایق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ مولانا قاسم تھوڑی تھوڑی دیر بعد بخود ہو جاتے تھے اور آپ کے انصاف سے ان کو پھر اصلی حالت پر واپس لے آتے تھے جب کئی بار یہ واقعہ پیش آیا تو آپ کے غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں تو حقایق بیان کر رہا ہوں اور تم دوسرے عالم کی سیریں کر رہے ہو کیا تم کو علم نہیں کہ حلقہ میں بیٹھنے والے کو حلقہ سے باہر قدم نکالنا سخت بے ادبی ہے مولانا جامی مولانا قاسم کے مقابلہ میں کسی کے مستقر نہ تھے ان کی بہت تعریف فرماتے متعدد بار فرمایا کہ مولانا قاسم اس نسبت میں گھی ملی ہوئی روٹی کی طرح ہیں یعنی ان کا رویہ رویاں اس نسبت سے معمور ہے دشمنیات کے مصنف نے پہلی بار جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا تو حضرت مولانا جامی سے اجازت چاہی انھوں نے فرمایا تم ابھی بہت چھوٹے ہو (میں اس وقت ۲۲ سال کا تھا) اور حضرت بہت بڑے اور اب وہ طالبین کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم جاؤ اور وہاں سے بجائے خوش ہو نیکی افسردہ و غمگین واپس آؤ اگر جانا ہی چاہتے ہو تو پہلے مولانا قاسم کی خدمت میں جاؤ اور ان کی ملازمت میں رہو عرض کیا کہ حضور براہ عنایت ان کو ایک سفارشی خط لکھیں تو زائد بہتر ہے انھوں نے انکی خواہش پر ایک پرچہ لکھ دیا (جو دشمنیات میں تحریر ہے) جب انھوں نے خط دیکھا تو کھڑے ہو گئے بوسہ دیا، اور سر پر رکھا اور جیب تک آپ رہے وہ بڑی عنایت فرماتے رہے ایک روز تنہائی میں آپ سے فرمایا کہ میرے پاس کوئی علم و ہنر ایسا نہیں جو تمہیں بتاؤں لیکن چونکہ تم ایک صالح اور نیاز مند نوجوان ہو اور مولانا جامی کی ایسی سفارش لائے گہنڈا حضرت کی ایک ایسی بات تم سے بیان کرتا ہوں جو اس سے قبل کسی سے نہیں بتائی اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس تمام مخلوق کے احوال پر مشرف اور قلوب پر مطلع ہیں ساٹھ سال کی عمر میں میرے ظاہری و باطنی احوال میں کوئی فعل بسا صادر نہیں ہوا جس سے آپ واقف نہ ہوں اور اسکے واقع ہونے سے پیشتر مجھے آگاہ نہ فرمادیں میرے بعد اول اپنے سموعات میں لکھتے ہیں کہ ۶ ذی الحجہ ۸۹۱ھ بوقت ظہر مولانا قاسم نے وفات پائی شام کو جب میں حاضر ہوا تو حضرت اقدس بہت روئے اور انکے اخلاق حمیدہ اوصاف پسندیدہ بیان کر کے فرمایا کہ فنایت اور تجرید باطن میں انکا مثل نہ تھا افسوس اب ہمارے پاس کیا رہا۔

تلمیح و ظلت :- مجمع فقرا قائم انوار وجود - مسہلک بجز جمع و دریا - شہود - زائر و کمر شہتہ بود از فیض وجود - تاریخ و تقاضا و ز فاضل کشور

یہ کہتے ہوئے کافی دور تک میرے ساتھ ساتھ آئے جب میں طیب کو لیکر آیا تو حضرت مولانا وفات پا چکے تھے . . . . . جب حضرت اقدس کو ان کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا " ایک روز مولانا قاسم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے کو حضور پر قربان کر دوں گا میں نے کہا قاسم! تم فقیر (غریب) اور بال بچے دار آدمی ہو۔ ایسا نہ کرنا کہنے لگے۔ میں اس سلسلہ میں حضور سے مشورہ لینے نہیں آیا ہوں میں یہ کام کر چکا ہوں اور اللہ نے اسے قبول بھی فرمایا ہے میں ان کو منع کرتا رہا لیکن وہ یہی کہتے رہے پھر چلے گئے اور واقعی یہی ہوا کہ ان کے جانے کے دوسرے ہی روز سے حضرت اقدس کا مرض مولانا قاسم میں منتقل ہو گیا اور حضرت اقدس ایسے صحتیاب ہوئے کہ طیب کی بھی ضرورت نہ پڑی حضرت مولانا ابو سعید اویسیؒ جو حضرت اقدس کے زمانہ علالت میں شب و روز آپ کی نقل و حرکت اور نشست و برخاست میں ہمہ وقت حاضر اور آپ کی خدمت و تیمارداری میں مستعد مکر بستہ رہتے تھے) کا بیان ہے کہ ۲۰ ربیع الاول ۸۹۵ھ شب چہار شنبہ جب کہ تحویل حوت کا وقت تھا آپ چہار شنبہ کے روز خواجہ کفشیہ کے محلہ سے کمانگراں گاؤں جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور شب پنجشنبہ کو غوجیاں کے باغ میں قیام فرمایا۔

۱۸۵ء مولانا ابو سعید اویسیؒ آپ کے خلیفہ اور عالم باعمل تھے پچیس سال کی عمر سے احرار الاولیاء کی خدمت میں آمدورفت رکھتے تھے ان سے تعلق پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ مرزا فتح بیگ کے مدرسہ میں درسی علوم کی تحصیل میں مشغول تھے اچانک بلا کسی سبب کے علوم ظاہری سے تکرید پیدا ہوا اور بے اختیار مدرسہ چھوڑنے کا عزم کر لیا وہاں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی پوچھا کہاں سے آتے ہو اس نے جواب دیا کہ کوہ نور سے شیخ الیاس عشقی کے پاس سے آ رہا ہوں آپ یہ سن کر کوہ نور کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں احرار الاولیاء کے مدرسہ کے پاس سے گزرے اس وقت احرار الاولیاء سوانی سے اتر کر مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے سوچا کہ خواجہ ملاقات کر کے کوہ نور کو چلنا چاہئے جیسے ہی خدمت میں حاضر ہوئے تو احرار الاولیاء نے یہ شعر پڑھا ہے

تو کوہ کباروی بہ من باخس۔ امروز معاذ ربہل نیست۔ آپ کو مضمون شعر سننے پر حیرت ہوئی دل میں کہا کہ اگر خواجہ نے میرے حال کے مطابق خیال فرمایا ہے تو دوبارہ پھر پھر میں گے اسی خیال میں تھے کہ خواجہ نے آپ کا نام لیکر فرمایا (حالانکہ آپ کو ان کا نام معلوم نہ تھا) کہ یہ شعرو تم نے سننا شیخ کمال کا ہے پھر دوبارہ اسے پڑھا اس وقت سے آپ کی محبت و عقیدت بڑھتی گئی اور پھر آپ ہی کی خدمت میں رہے اور فیوض و برکات اخذ کئے (اذکار ابراہیم) آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے



اور صبح کو مصر کے راستہ سے کمانگراں روانہ ہوئے لیکن مرض کی شدت اور ضعف کے باعث اس دن اور اس رات مصر ہی میں قیام فرمایا پھر جمعہ کی صبح کو کمانگراں کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد توقف فرماتے اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے شبِ شنبہ کو عشاء کے وقت کمانگراں پہنچے اور پورے سات روز وہاں قیام فرمایا اور جمعہ کی صبح سے آخر روز تک لمبے لمبے ضعف بڑھتا ہی گیا ان تین ماہ کی مدت میں یعنی مرض کی حالت میں فرض نماز کی ادائیگی کا بطور خاص لحاظ فرماتے اور اسے ہمیشہ نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور اسے اول ہی وقت پڑھ لیا کرتے تھے خصوصاً شدتِ مرض اور ضعف میں اس کا خاص خیال رکھتے تھے جب کمزوری اور ضعف بہت بڑھ گیا تو ۲۹ ربیع الاول شام کی نماز کے وقت فرمایا کہ شام کی نماز تو ہو چکی ہوگی لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہو چکی آپ نے اشارہ سے نماز ادا کی عشاء کی نماز کے بعد تھوڑا وقت گذرا تھا کہ روح مبارک نے صعود فرمایا اور جو رحمت میں پیوست ہو گئی جب آپ کی حالت میں تغیر پیدا ہوا تو وہ جمعہ کے دن کا ابتدائی وقت تھا کبارگی زمین لرزا ٹھی اور شہر سمرقند میں بہت سخت زلزلہ آیا اور فضا میں غبار چھا گیا اس وقت لوگ جامع مسجد میں تھے جن میں بیشتر لوگوں کو آپ کی شدتِ علالت کا علم تھا جب اس زلزلے اور ان علاماتِ عظمیٰ کو دیکھا تو آپ کے بارہ میں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی سانحہ عظیم رونما ہوا ہے بعد نماز پھر لوگوں کا ایک سمندر امنڈ پڑا اور شہر سے نکل کر کمانگراں روانہ ہوا اور عشاء کی نماز کے وقت جب حضرت کی روح مبارک نے ملائکہ علی کی جانب کوچ فرمایا تو دوبارہ پھر زمین لرزا ٹھی اور شہر سمرقند میں شدید زلزلہ آیا اور مرزا سلطان احمد اپنے تمام ارکانِ دولت کے ساتھ غروبِ آفتاب کے وقت شہر سے کمانگراں شام کی نماز کے بعد آپ کے پاس پہنچے اور پینچم کے روز صبح کے وقت میر دردیش محد ترخان بجلتِ مرزا کے (دپاس) سامنے سے آئے اور آپ کی نعش مبارک کو ایک میاں میں رکھ کر شہر کی جانب روانہ ہوئے اور فجر کی نماز خواجہ کفشیہ کے محل میں ادا کر کے فوراً غسل اور تجمیز و تکبیر میں مشغول ہوئے اور فراغت کے بعد شہر کے تمام خواص و عام نے ملایوں کے احاطہ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر اسی احاطہ میں دفن کیا اور آپ کی اولاد بزرگوار نے اس جگہ ایک رفیع الشان مقبرہ بنیاد رکھی اور آپ کے مزار مبارک کو نہایت عمدہ اور خوشنما انداز اور بہترین طور پر تعمیر کیا۔

بعض لوگ جو آپ کی وفات کے وقت موجود تھے نیز بعض وہ حضرات جنہوں نے حضرت خواجہ محمد علی سے سنا تھا بیان کرتے تھے کہ جب آپ کی روح مبارک کی رخصتی کا وقت قریب ہوا تو وہ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت تھا اور گھر میں بہت سے چراغ جل رہے تھے جن کی روشنیوں سے پورا گھر خوب روشن تھا اچانک لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی ابرو ان مبارک کے درمیان سے بجلی کی ایسی تیز روشنی نکلی جس نے گھر میں جلتی ہوئی تمام روشنیوں کو مدہم کر دیا اور وہاں بننے لوگ موجود تھے سب نے یہ چیز مشاہدہ کی ہے

اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجۃ فی علیین من الذین انعم اللہ علیہم من التبین والصدیقین والشہداء  
والصالحین روح اللہ روح اسلافہ وطول اللہ عمرہ ا خلافتہ،

حضرت مخدومی مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نے آپ کا مرثیہ لکھا اور تاریخ وفات کے سلسلہ میں ایک غزل اور قطعہ نظم کیا جو ان کے تیسرے دیوان میں مذکور ہے اور امیر علی شیر (شاگرد حضرت جامی) نے بھی آپ کی وفات پر ایک قطعہ نظم کیا ہے جو درج ہے۔

خواجہ خواجگان حبید اللہ مرشد سا بکانِ راہ یقین

شد بہ خلد بریں کہ در فوش سال تلذیح گشت خلد بریں

مولانا محمد قاضی لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرض الوصال میں یہ وصیت فرمائی کہ میں نے سوچا تھا کہ ایک اور عمارت اس زمین پر بنوادوں جو "مسجد نگاریں" کے مقابل میں نے خریدی ہے اور اس میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اور مصنفات امام غزالی کے درس کے لئے ایک مدرسہ اور کھول دوں۔ اور پچاس ہزار اشرافی کی جائداد خرید کر "بازار سوزن فروشان"، کی مسجد کے لئے وقف کر دوں تاکہ مدرسہ امام۔ خدام اور مؤذن کو کچھ اور زائد دیا جاسکے اور ان عمارت کی آئندہ مرمت و ترقی بھی اسی آمدنی سے کی جاسکے اس جائداد کی آمدنی جس طرح میری زندگی میں اس مدرسہ پر خرچ ہو رہی ہے میرے بعد بھی اس پر خرچ ہوئے

نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روز مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ زلزلگی کے آخری ایام

ملک رسالت ۲۰۶ء تاریخ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۲۲۰ سے مقالات عالیہ ۱۸۵

میں میری یہ خواہش ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کے مزارات پر حاضر ہو کر فقرا کا پیٹ بھروں اور یہ زیادہ  
 تھا جب ترکستان میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور آپ اس سے دل شکستہ ہو کر "شاش" ائے تھے  
 فرمایا کہ یہ خدمت میں اپنے ذمہ لوں یا تم لوگے میں نے اس خدمت کو اپنے سر لے لیا ایک  
 ایک دن میں اتنی اتنی بکریاں حلال کی جاتی تھیں جن کا شمار مشکل تھا میں خود اپنے ہاتھ سے مزارات  
 پر موجود رہ کر فقرا کو تقسیم کرتا تھا گرد و نواح میں جتنا خبر بوزہ بویا گیا تھا وہ سب انہیں فقرا کو  
 بانٹ دیا گیا یہ رمضان کا مہینہ تھا مگر میری عیدم الفرستی کا حال یہ تھا کہ افطار کرنا بھی دشوار  
 ہو جاتا تھا

## اولاد بزرگوار

حضرت خواجہ محمد عبداللہ نقشبندی

حضرت خواجہ کلاں معروف بہ خواجہ عبداللہ یہ آپ کے بڑے صاحبزادہ تھے اور خواجہ کے خواجہ ہا کے نام سے مشہور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ۔ علوم نقلی و عقلی میں درجہ کمال پر فائز۔ کتاب و سنت کے علوم میں دقیق النظر۔ حدید البصر اور نکتہ رس محقق تھے۔ کوئی دقیقہ ان کی نگاہ حقیقت میں سے پوشیدہ نہ تھا۔ باوجود علوم ظاہری میں متبحر ہونے کے والد محترم کی نسبت باطنی سے بھی فیضیاب تھے۔ بعض خدام ان کے تصرفات اور خرق عادات (کرامات) کے متعدد واقعات بیان کیا کرتے تھے خود والد محترم انکی بہت تعظیم و توقیر فرماتے اور اعزازی طریقہ پر سلوک فرماتے تھے۔ باپ اور بیٹے کے برتاؤ کی طرح پیش نہیں آتے تھے یعنی بیٹے کی عزت بہت زائد کرتے تھے۔ ایک روز والد محترم خواجہ کفشیہ کے محلہ میں ملاو کے احاطہ کے اندر حجرہ میں رومال باندھے ہوئے نہایت اطمینان سے آزادانہ بیٹھے ہوئے تھے اور مخصوص حضرات خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک کسی نے آکر بجایا کہ ”خواجہ کلاں آرہے ہیں، وہ ان ایام میں درین“ میں تھے۔ جوان کا خاص گاؤں تھا اور شہر سے ایک منزل پر تھا۔ ہر دوسرے تیسرے مہینہ ایک بار خدمت میں حاضر ہوتے۔ جیسے ہی آپ نے ان کی آمد کی خبر سنی تو پگڑھی، موزے، ٹیکہ منگوایا اور رومال سر سے اتار کر پگڑھی باندھی۔ موزے پہنے اور ٹیکہ باندھا پھر چند قدم ان کی پیشوائی کو بڑھے اور اپنے حجرہ میں لا کر لوگوں کے آگے بٹھایا۔ ان کیساتھ ایک جماعت علمائے سمرقند کی تھی۔ تھوڑی دیر تک سب خاموش رہے پھر حضرت اقدس نے خواجہ کلاں سے فرمایا کہ ”ہائیں کرو اور قوائد حاصل کرو“ انھوں نے انکساری برتی۔ حضرت اقدس نے یہ دیکھ کر تفسیر قاضی اٹھائی اور اسے کھول کر ایک آیت کے سلسلہ میں منگو کا آغاز کیا۔ خواجہ کلاں نے اس آیت میں تمام علمائے ظاہر و باطن کے اقوال اور تحقیقات بیان کیں ایسا کہ تمام موجودہ اکابر علماء ان کے علمی ثمر پر متحیر و دنگ رہ گئے۔ پھر کھانا لایا اور کھانے سے فراغت کے بعد جب خواجہ کلاں واپسی کیلئے اٹھے۔ تو حضرت اقدس (والد محترم) نے چند قدم

چل کر ان کو رخصت کیا۔ پھر آکر بیٹھ گئے موزے اتارے۔ اور بدستور رومال باندھ کر بیٹھ گئے۔  
مصنف "رشحات" مولانا علی صنفی لکھتے ہیں کہ بارہا میں آپ کی خدمت میں "ورسین" کے محلہ  
میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تقریب سے آیہ کریمہ قلنا یا نار کوئی برد اور سلاما علی ابراہیم کی تفسیر کا ذکر نکلا۔ آپ  
نے تمام علمائے ظاہر کے اقوال نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کئے اور حکماء نے جو یہ تاویل کی ہے کہ نار  
سے مراد نمرود کی آتش غضب اور برد سے مراد شعلہ غضب کا فرو ہونا ہے۔ اس تاویل کے رو میں  
معقول اور حکمی دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نار عنقریب نار تھی اور برودت اسکی ماہیت پر عارض ہوئی۔  
ایک ہدایتی فرمان جس میں والد بزرگوار نے آپ کو نصیحت فرمائی اور تلقین کی ہے یہ ہے  
"فرزند نور چشم۔ تم کو ایسی ہمت رکھنی چاہیے کہ جن باتوں کا جاننا تم پر فرض ہے اور جن کے بغیر  
قطعی ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسے اعتقاد صحیح رکھنا اور علم کا احکام الہی کا جاننا۔ ان سب باتوں سے تم جلد اپنے  
کو فارغ کرو اور ظاہری و باطنی دائمی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل  
سے اپنے غیر کا اعتبار۔ تعظیم اور دید دور کر کے تم کو ہمہ تن انھیں تمام امور میں مشغول کر دے جو تم سے مقصود  
ہیں۔ خداوند۔ جن اصحاب کو تو نے محض اپنی عنایت سے اپنے غیر کے اعتبار۔ تعظیم اور دید سے نجات دی  
ہے ان اصحاب کے قرب کے طفیل میں حقیر اور ضعیف بندہ زادہ کو جس کے لئے تیری عنایت رافت  
اور رحمت کے سوا کوئی امید کی جگہ نہیں ہے تمام گرفتاریوں سے رہائی عطا فرما۔" بمنہ و کرمہ سے  
غیر حق ہرزہ کان مقصود تست تیغ لابرکش کہ اں معبود تست  
آپ کے حالات کا بیان مختصراً یہ ہے کہ جب شاہ بیگ خاں کا تسلط اور ظہور ہو گیا تو  
آپ لوگوں کے آثار و اطوار سے زمانہ کی تباہی معلوم کر کے اپنے وطن سے حکم الفرائض ممالا یطاق من  
سنن المسلمین (جن تکالیف کی برداشت کی قوت نہ ہو ان سے بھاگنا رسولوں کی سنت ہے) سے  
اندجان کی طرف ہجرت فرما گئے لیکن اس جگہ کو بھی آپ کی طبیعت نے پسند نہ کیا لہذا جلد  
از جلد عالم فردوس کو جانے کیلئے آخری سفر کا سامان باندھ لیا۔ اور آپ کی نعش کو لوگوں نے اس  
ملک سے تاشقند لاکر آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا لے

آپ کے شاگرد مولانا حسن مجرود ( جنھوں نے آپ سے صحیح بخاری وغیرہ بھی پڑھی ہے ) بیان کرتے تھے جب آپ کی روح مبارک نے جدائی اختیار کی اور ہم نے چہرہ اقدس کو ڈھانپ دیا تو آپ کے صاحبزادہ نے ہاتھ بابا کہہ کر نعرہ فرمایا آپ میں حرکت پیدا ہوئی۔ ہم نے یہ دیکھ کر جیسے ہی چہرہ اقدس سے کپڑا ہٹایا تو آپ نے فرمایا مجھ کو نیند سے کس نے بیدار کیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اس کتاب (بخاری شریف) سے کوئی حدیث سناؤ میں نے جیسے ہی کتاب کھولی تو معراج کا واقعہ نظر پڑا۔ میں نے اس خیال سے قلبِ مبارک افسردہ و طول نہ ہو کتاب کو بند کر کے دوبارہ کھولا۔ پھر وہی حدیث نکلی میں نے پھر کتاب بند کر دی۔ جب تیسری بار اسے کھولا تو بھی وہی حدیث برآمد ہوئی (مجبوراً) میں نے وہی حدیث پڑھنا شروع کی۔ چونکہ میں شدتِ رنج و غم سے بیقرار ہو رہا تھا لہذا اعراب کو غلط پڑھ گیا۔ آپ نے میری جانب تیز نظروں سے دیکھ کر سر مبارک ہلایا اور رحمتِ حق سے واصل ہو گئے اے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ اسی روز میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے جس میں تمام بزرگانِ دین موجود ہیں اور ایک بلند گنبد میں جس کی چھت اور دیواریں رنگ برنگے چینی کے ٹکڑوں سے مزین ہیں ایک جماعت سپاہیوں کی صورت میں ہاتھ میں تلواریں لئے بیٹھی ہے اور آخری صف سے ایک صف پہلے میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ جماعت کیسی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ”آج قطب اس دنیا سے چلا گیا اس جماعت میں سے کسی ایک کو قطب کریں گے لیکن ابھی تک یہ طے نہ ہو سکا ہے کہ کس کو کریں گے۔“

۱۹۲۲ء مقاماتِ عالیہ ۱۹۲۲ء مقاماتِ عالیہ ۱۹۲۲ء

## حضرت خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے جو اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ یہ اپنے والد بزرگوار کے بہت مقبول و محبوب تھے ایسا کہ انھوں نے اپنی آخری عمر میں ان کو اپنا قائم مقام کیا اور اپنے مزار کی تولیت سپرد فرمائی جب کہیں وہ پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ بہت زائد حقائق و معارف فرماتے اور ان سے مخاطب دراصل حضرت خواجہ یحییٰ ہوتے تھے۔ حالانکہ حقائق و معارف کے بیان کے وقت اور اکابر علماء و فضلاء و عرفاء بھی موجود ہوتے تھے حضرت محمد یحییٰ مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی خواجہ محمد یحییٰ کے بہت معتقد و معرف تھے۔ فرماتے تھے کہ خواجہ محمد یحییٰ کو طریقہ خواجگان سے کامل مناسبت ہے۔ خواجہ پر نسبت علیہ غالب ہے اور خواجہ محمد یحییٰ پر نسبت جذبہ۔

مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد یحییٰ جب ہری تشریف لائے تو ایک روز حضرت حقائق پناہی کے ساتھ مولانا محمد روحی کی ملاقات کو گئے۔ صاحب خانہ (مولانا محمد روحی) نے اپنے عزیز مہمان کے ساتھ نہایت ادب کا برتاؤ کیا اور خاطر مدارات و تعظیم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن ہم نشینی کا تمام وقت طرفین کی خاموشی میں گذر گیا۔ میں دوسرے ہفتے تنہا مولانا کی خدمت میں گیا تو ظاہر و باطن کی آراستگی کے متعلق انھوں نے حضرت خواجہ کی تعریف حد سے زیادہ فرمائی۔ جب خواجہ کی خدمت میں واپس آیا تو سنی ہوئی باتیں مختصر بیان کیں۔ خواجہ نے فرمایا۔ کل کے روز میں آپ کی صحبت میں اپنی فنا اور مولانا کے اثبات میں مشغول تھا۔ میری تعریف جو مولانا فرماتے ہیں یہ درحقیقت مولانا ہی کی تعریف ہے کیونکہ اس وقت مجھ میں مولانا ہی کی حقیقت جلوہ گر تھی ۲

۱۔ مولانا محمد روحی کا لقب شمس الدین اور کنیت ابوالکلام تھی۔ ہرات کے پرگنوں میں سے کسی پرگنہ کے رہنے والے تھے استقامت و کرامت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مولانا سعد الدین کاشغری سے بیعت تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پرہیزگار اور صالحہ تھیں اور ان کا رتبہ ریاضت و بلند ہمتی میں بہت بڑا تھا۔ فرماتی تھیں کہ میں امید سے تھی۔ ایک رات عالم مثال میں حضور سرور کائنات کی زبان مایطق عن الہوی سے نوید پرہر سنی۔ اسی کے بعد اسی محل سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس واقعہ کی بنیاد پر محمد نام رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ آغاز زمانہ ہوش سے لے کر آخری وقت تک آپ کے سلوک میں کسی قسم کی لغزش نہیں آئی۔ آپ نے اپنی تمام عمر راست روی اور اتباع شریعت میں گذاری۔ صاحب کرامات و مقامات تھے۔ (ذکار ابرار ص ۱۹۱)

۲۔ رشحات ۱۸۰-۱۷۹

خراسان کے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ حضرت کی وفات کے بعد میں خواجہ محمد یحییٰ کی خدمت میں بہت حاضر ہوا کرتا تھا ایک روز میں حاضر ہوا آپ مکان کے اندر تھے۔ میں باہر سے ایک دوکان پر انتظار میں بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں میرے دل میں آیا کہ حضرت اقدس تو کبھی کبھی استعداد والوں کے باطن میں تصرف فرماتے تھے۔ اور ان کو عالم بخودی پر پہنچا دیا کرتے تھے۔ کیا حضرت خواجہ میں بھی تصرف کی قوت ہے۔ یا نہیں۔ یا اب کوئی اس کا اہل ہی نہیں رہا ہے۔ انہیں خیالات میں تھا کہ آپ تشریف لاکر میرے پاس بیٹھ گئے۔ قدرے خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ "ارباب تصرف کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض اس کے مجاز و مختار ہیں کہ اللہ کی اجازت اور اپنے اختیار سے جس وقت چاہیں اور جس کے باطن میں چاہیں تصرف کر کے فنا و بخودی کے مقام پر پہنچا دیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو باوجود تصرف کی قوت ہونے کے امر غیبی کے بغیر تصرف نہیں کرتے۔ اور جب تک ان کو پہلے سے حکم نہ دیا جائے کسی پر توجہ نہیں کرتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر کبھی کبھی کوئی صفت اور حال ایسا غالب آجاتا ہے جس سے وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور مریدین کے باطن میں تصرف کر کے اپنے حال سے ان کو متاثر کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص نہ مختار ہو نہ مجاز۔ نہ مامور ہو نہ مغلوب اسے تصرف کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ اس فرمانے کے ساتھ ساتھ مجھ پر ایسی توجہ فرمائی کہ میں بے خود و بے شعور ہو گیا اور خود فراموش ہو گیا تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اسی دوکان پر ایک پہلو پر (الٹا) پڑا ہوں اور حضرت خواجہ آنکھیں بند کئے مراقب بیٹھے ہیں۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور یقین ہو گیا کہ حضرت خواجہ ضرور صاحب تصرف ہیں لے

حضرت خواجہ نہایت غیور اور تند خو تھے اور بے پناہ محبت کی وجہ سے حضرت اقدس پر غیرت عظیم رکھتے تھے۔ جب کبھی وہ حضرت اقدس (والد بزرگوار) کی خدمت میں تشریف لاتے تو حاضرین ان کے خوف و رعب کی وجہ سے اٹھ جاتے کیوں کہ ان میں بعض تو ایسے تھے جو حضرت خواجہ کے تھپڑ کھاتے ہوئے تھے اور خواجہ نے تین بار اصحاب کی غیرت کی وجہ سے حضرت اقدس کی ملازمت اور صحبت ترک کر کے مجاز کی طرف روانگی اختیار فرمائی۔ پہلی بار بخارا تک۔ دو بارہ ہرات تک اور تیسری بار یزد تک۔ لیکن جتنی بلد بھی وہ سفر سے روانہ ہوتے



حضرت اقدس نے اپنی قوت جاذبہ اور توجہ باطنی سے ان کو راستہ سے ہی واپس کر لیا ایک روز قرش میں بعد نماز ظہر حضرت اقدس کے ساتھ خلوت میں تشریف لے گئے اور باطنی حالات عرض کرنا شروع کئے حضرت اقدس حالات سنتے جاتے تھے اور توجہ و عنایت فرماتے جاتے تھے صحبت نہایت گرم تھی اور تمام اصحاب خلوت کے باہر تھے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا مؤذن چونکہ اس خلوت و صحبت سے لاعلم تھا اس نے اول وقت ہی اذان دے دی حضرت اقدس اذان کی آواز سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت سی باتیں اور صوری و نا تمام رہ گئیں خواجہ کو یہ دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید خلوت کے باہر موجود لوگوں کو ان باتوں اور اس خلوت و صحبت سے رشک ہوا ہے اسی لئے انہوں نے قصد مؤذن سے جلد اذان دینے کو کہا ہے تاکہ یہ صحبت درم برہم ہو جائے چنانچہ نہایت غصہ سے باہر آئے اور لوگوں سے فرمایا کہ لو ہم جاتے ہیں اور حضرت کو تمہارے لئے چھوڑے جاتے ہیں اب تم بغیر میری مزاحمت کے خوب اچھی طرح صحبت کے فوائد حاصل کر لو اور بغیر کسی تاخیر کے اور حضرت سے رخصت ہوئے اسی وقت خراسان روانہ ہو گئے خدام اور متعلقین کو جب اس کا علم ہوا تو اونٹوں پر اسباب سفر لاد کر فوراً آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے اور آب امویہ کے کنارہ آپ کو جا لیا جس وقت شام کو خواجہ روانہ ہوئے تو لوگوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا سب نے اس قصہ کو حضرت اقدس سے بیان کیا آپ ان کے جانے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت ایک قاصد خراسان کی جانب حضرت مخدومی مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی کے پاس یہ کہہ کر روانہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے ان کو واپس کر دیں چنانچہ جب خواجہ ہرات پہنچ کر مولانا سعد الدین کا شغریٰ کے مزار پر حاضر ہوئے اور خواجہ ابوالبرک کے مکان پر نزول فرمایا تو حضرت مخدومی نے موقع و محل دیکھ کر نہایت لطیف پیرایہ اور سود بانہ انداز میں ان سے واپسی کے لئے اصرار کیا آپ نے نہایت ادب سے فرمایا، مخدوم من، میرا ارادہ اس سفر کے لئے ایسا مہم (پختہ) ہو چکا ہے کہ اب میں اس کی تبدیلی پر قادر نہیں ہوں (یعنی اگر میں چاہوں تو بھی اپنے اس ارادہ میں تبدیلی نہیں لاسکتا) مولانا جامی یہ سن کر خاموش ہو گئے پھر ان سے کچھ نہ کہا اور قاصد مایوس واپس چلا گیا اور آپ ایک ہفتہ تک وہاں رہے پھر یزد روانہ ہو گئے، جب یزد پہنچے تو جتنی بار بھی وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے

نہایت تیز بخار میں مبتلا ہوجاتے اور جب اپنے ارادہ کو فسخ کر دیتے تو اسی وقت بخارجاتا رہتا  
آخر کار یہ سمجھ میں آیا کہ میرے اس سفر کی حضرت کی اجازت نہیں ہے انہیں ایام میں ایک روز  
اسی قسم کا خواب دیکھا جیسے ہی بیدار ہوئے مضطرب و بیقرار ہو کر بے اختیار بستر سے  
اٹھے اور (اصطبل) طویلہ میں جا کر اپنے خاص گھوڑے پر اسی طرح درہنہ بغیر کاٹھی  
چڑھائے ہوئے سوار ہو گئے ملازمین و خدام یہ دیکھ کر آپ کے پیچھے دوڑے آپ نے  
مڑ کر ان سے فرمایا کہ ”موزے اور زین وغیرہ لیکر میرے پیچھے آؤ حضرت نے مجھے طلب فرمایا ہے  
میں رک نہیں سکتا یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نہایت تیزی کے ساتھ خراسان کی جانب روانہ  
ہو گئے اور پیچھے پیچھے تمام ملازمین و متعلقین بھی بہ عجلت تمام سامان لاد کر دوسری منزل پر خواجہ  
کے پاس پہنچ گئے ہرات میں بھی توقف نہ کیا بحرِ سطور بھی آپ کی رفاقت میں سمرقند کی جانب  
روانہ ہوا اور یہ سفر اہل ریح الاخر ۹۳ھ میں ہوا باوجود اس کے کہ فقیر کے پاس جو سواری  
تھی وہ نہایت تیز رفتار تھی لیکن ”حل دختران“ تک بھی میں ان کا ساتھ نہ دے سکا کیوں کہ خواجہ  
اپنی سواری کو نہایت تیز بھگا رہے تھے اور جتنی سوایاں تھیں وہ سب پیچھے رہ گئی تھیں مجھے  
کئی بار یہ خیال آیا کہ خواجہ سے عرض کروں کہ جب حجاز کا عزم مہم ہو چکا تھا تو پھر اب اس قدر  
جلد واپسی کا کیا سبب ہے لیکن ادباً اس خیال سے خاموش رہا کہ ہو سکتا ہے آپ خود اظہار  
فرمائیں ”حل دختران“ پیچھے پر مجھ سے فرمایا کہ میں تو بہت تیز چلتا ہوں تم میرے ساتھ چلنے میں  
پریشان ہو جاؤ گے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ پیچھے آ رہے ہیں ان کے ساتھ اطمینان سے آؤ سمرقند  
میں مجھ سے مل جانا اور شاید تم کو یہ خیال ہو کہ میں حجاز جانے کا مہم عزم کر چکا تھا اب اس قدر  
جلد واپسی کا کیا سبب ہے تو سنو بات یہ ہے کہ جس رات میں نے حجاز جانے کا پختہ ارادہ کیا تو  
خواب دیکھا کہ حضرت اقدس تشریف لائے اور میرے جوتوں کو سمرقند کی جانب گھمایا بیدار  
ہونے پر نہایت بے چین و مضطرب ہوا اور آپ کی جانب سے باطن میں ایسا وہابانہ اشتیاق او  
کشش پیدا ہوئی جس نے مجھے بالکل بے طاقت اور بے آرام کر دیا اور مجھ سے ایک لمحہ بھی  
ٹھہرانہ جاسکا اسی وقت رات ہی میں اٹھا اور طویلہ میں جا کر گھوڑا لیا اور نیکی بیٹھ پر سوار  
ہو کر بھگاتا ہوا یہاں تک آ گیا

دراصل یہ ساری توجہ حضرت اقدس کی ہے جو جذب اور کشش کی صورت میں کمتدی طرح میری گردن اور جان میں ڈال کر کشاں کشاں اپنی جانب دوڑا رہی ہے۔ اور مجھے یہ یقین ہے کہ جب تک آپ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں گا یہ بیقراری اور اضطراب نہ جائے گا۔ یہ فرمایا اور گھوڑے کو چابک مار کر ہوا ہو گئے یہ فقیر آپ کے خدام اور شتر بانوں کے ساتھ ایک ماہ بعد جب آپ کی خدمت میں سمرقند پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ یزد سے واپسی کے بعد پھر مجھے حجاز کے سفر کا شدت سے داعیہ پیدا ہوا چنانچہ میں نے مولانا سید حسن سے کہا کہ وہ میرے لئے حضرت سے اجازت حاصل کریں مولانا نے موقعہ دیکھ کر عرض کیا۔ آپ نے ان سے استفسار فرمایا کہ آخر ان کو اس سفر پر اتنی شدت کیوں ہے اور ان کی غرض اس سفر سے کیا ہے۔ مولانا نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ سب سے بڑا سبب میرے اس سفر کا یہ حدیث ہے کہ من نما انی میتا فکانما انی حیاً (جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا میری زندگی میں میری زیارت کی) حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا تین روز اور توقف کرو ہم دیکھتے ہیں اس میں کیا مصلحت ہے۔ تیسری شب میں نے خواب دیکھا کہ حضور سرور کائنات تشریف لائے۔ میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضور نے فرمایا اپنے والد کو بلا لاؤ۔ ہم ان سے ملاقات کریں گے۔ میں نے دوڑ کر آپ کو بتایا آپ فوراً تشریف لے آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا اور میں سامنے سر جھکا سے آنکھیں بند کر کے بلیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سراٹھایا تو دیکھا کہ حضور کے دو جسم مبارک ہیں اور حضرت اقدس دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ ہر چند میں نے غور کیا لیکن

۱۸۲

رشحات ۱۸۱

مولانا سید حسن خواجہ احرار الاولیاء کے جلیل القدر خلیفہ متبرع عالم اور نہایت نیک میرت تھے۔ ایک روز آپ کے والد بزرگوار زمانہ طفولیت میں آپ کو احرار الاولیاء کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت آپ کی مجلس میں ایک پیالہ شہد کار کھا ہوا تھا۔ آپ کو بہ تقاضا سے سن طفولیت شہد کی خواہش ہوئی اور شہد کو دیکھنے لگے۔ اسی درمیان حضرت خواجہ نے آپ سے نام دریافت فرمایا۔ آپ نے فرمایا شہد۔ احرار لادیا اس جواب سے بہت منظور ہوئے اور تبسم فرما کر کہا کہ چھوٹے سے عنصر میں کامل استعداد اور صحیح قبولیت عطا کی گئی ہے صرف آی سی بات پر کہ اس کے ذہن نے شہد کا مزہ چکھ لیا ہے۔ ایسا شہد کے خیال میں کھو گیا ہے کہ اپنا نام ہی بھول گیا ہے بلکہ اسے شہد میں گم کر کے کوئی نام ہی زبان پر نہیں لاتا۔ اگر اس کی جان میں شہد زیادہ شیرینی کی چاشنی پہنچا دی جائے تو ضرور اس کی توجہ اور استغرافی کیفیت اس میں زائد ہوگی۔ یہ فرما کر اسی وقت آپ کو والد بزرگوار سے لیکر اپنی تربیت میں لیدیا اور ظاہری و باطنی علوم تعلیم فرمائے (اذکار ابرار - ۱۸۱)

آنحضرتؐ اور حضرت اقدس میں کسی طرح امتیاز نہ ہوا۔ اور یہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرتؐ کون ہیں اور حضرت اقدس کون۔ اسی حیرت و دہشت میں جاگ پڑا دیکھا تو جمع کا وقت تھا۔ میں فوراً وضو کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ تہجد کی نماز پڑھ کر مراقب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آہستہ سے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے (میری آہٹ پر) سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ خواجہ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا اور مراد پوری ہو گئی۔ اب ہم کو پریشان نہ کرو۔ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور دیدار غنیمت ہے۔ میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دوبارہ اس قسم کی خواہش میرے دل میں نہ ابھری لے

نیز خواجہ بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدس نے مجھ کو رابطہ کا ایک طریقہ تسلیم فرمایا تھا۔ ایک بار اس شغل کی ابتدا میں آپ خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اصحاب کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ حضرت اقدس کے چہرہ مبارک کی جانب توجہ کرنا چاہیے یا آپ کی آنکھوں کی جانب۔ جب میں نے آپ کی جانب نظر کی تو آپ نے انگشت شہادت کو اپنی دونوں ابروؤں کے درمیان رکھا۔ میں یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ کی دونوں ابروؤں کے درمیان نظر رکھنا چاہیے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اور تخلیہ ہو گیا تو آپ نے اس کی وضاحت فرمائی لے

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار مجھ کو سخت انقباض لاحق ہوا۔ جب زائد پریشان ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت افسران کی ایک جماعت اپنے حسابات پیش کر رہی تھی جب ان کی گفتگو نے طول پکڑا تو میں نہایت ملول اور دل گرفتہ ہوا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کسی درخت پر بہت سی چڑیاں بیٹھی ہوں اور کہنی شخص بھینا پھینکا کہ انکو لڑا مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جتنے خواطر میرے باطن میں ہجوم کئے ہوئے تھے اور میں ان سے سخت پریشان تھا۔ یکلخت محو ہو گئے اور سکون ہو گیا اسی حالت میں میں نے حضرت کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ آپ مجھے بڑی تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر بہت آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا کہ ”یہ ہے اور وہ ہے اور یہ بھی ہے“ پھر افسران سے فرمایا کہ جاؤ مجھے ان سے کچھ کام ہے (باتیں کرنا ہیں) جب سب چلے گئے

لے، صفحات ۱۸۲-۱۸۱ لے ایضاً ۱۸۲

تو مجھ سے غصہ سے فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی پریشانی یا انقباض ہو تو محض اس کے لئے اپنا سارا کاروبار نہیں چھوڑا جا سکتا اس قسم کی باتیں دل میں نہ لانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا موقعہ پڑ جائے جہاں باپ بیٹے کی بھی گنجائش نہ ہو کوشش اسکی کرنا چاہئے کہ اس قسم کی باتوں سے تنگدل نہ ہونا چاہئے اور پریشان ہونا چاہئے نہ

احرار الاولیاء اکثر خلوتوں میں آپ سے حضرت امیر المؤمنین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہاری روح کو شہید دشت کربلا کی ولایت اور شہادت کے ساتھ کالی نسبت ہے کہتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے چند ہی روز بعد شاہ بیگ خاں نے پرگنہ رسم قند ضبط کیا اور محرم ۹۰۶ھ کے پہلے عشرہ میں جمعہ کے روز حضرت خواجہ محمد یحییٰ سے مواخذہ و مطالبہ کر کے جو کچھ نقد و جنس مکانات میں تھا سب سرکار میں داخل کر لیا اور تمام دیہات، اراضی، اور فارم وغیرہ سب سرکاری ملازمین کے سپرد کر دیئے خواجہ کو انتظار تھا کہ شاید عاشورہ کے روز شہادت کا واقعہ بھی پیش آجائے لیکن ایسا نہ ہوا اسی دوران شاہ بیگ خاں نے یہ حکم نافذ کیا کہ آپ سے فرزندوں مریدوں اور متعلقین کے خراسان چلے جائیں چنانچہ آپ کو مہینہ کے راستہ سے خراسان روانہ ہوئے جب تاشقند سے نکل گئے اور محرم کی دسویں تاریخ بھی نکل گئی تو خواجہ کو حیرت ہوئی اور حیرت سے انقباض پیدا ہوا کہ حضرت والد ماجد کا فرمان تو یحییٰ کی شہادت کا ٹخرا تھا اور یہاں تاخیر نظر آرہی ہے خدا معلوم اس میں کیا حکمت اور کیا مصلحت ہے اسی خیال میں تاشقند سے دو تین منزل آگے گئے تھے کہ اچانک صحرائیں اور بک کی لیک فوج نے حملہ کر کے ظلم و زیادتی شروع کر دی چاروں طرف سے تلواروں اور تیروں کی بارش ہونے لگی بالآخر فوج مذکور نے خواجہ محمد یحییٰ کو مع ان کے دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد زکریا اور خواجہ عبد الباقی کو اسی صحرائیں مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا تینوں نسبی اور حسبی بزرگوں کی نعشیں خواجہ کفایت کے محلہ میں لاکر ملایوں کے احاطہ میں خواجہ احرار الاولیاء کے جوار میں دفن کی گئیں اور مزار بنا دیئے گئے ۱۷

# اقوال

صوفیاء اور خاصانِ خدا کے اقوال و ملفوظات۔ ارشادات و تعلیمات دراصل حکیمِ اکبر اور ارشادِ رسولِ اللہ کی صدائے بازگشت ہیں جو نعمۂ است کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اس میثاقِ ازل کی یاد دلاتے ہیں جن کا صبحِ ازل اُسْتُ بِرُکْمُ کے جواب میں ارواح نے قالوا بلی سے اقرار کیا تھا۔ یہ اقوال وہی تجدیدِ عہد ہیں جو منصبِ ولایت پر فائز ہونے اور میراثِ ولایت حاصل کرنے کے بعد ہزار ہا بندگانِ خدا کو معرفت کا آبِ زلال مہیا کرتے ہیں۔ اور ہر شخص بقدر ظرف و مراتب اس مئےِ ناب سے مست و سرشار ہو کر حق و حقانیت کے مراتبِ اعلیٰ پایتا ہے۔ یہ اقوال اس کے جامہ ہستی کو وہ لمبوسِ زیبا عطا کرتے ہیں جس سے انسانی ذات کے جو ہر نکھرتے اور سنورتے ہیں۔ ان زریں اقوال پر جو تفسیرِ قرآن اور شرحِ منشاءِ رسول ہیں عمل پیرا ہو کر وہ اپنے چمنِ ہستی کو شاداب و تازہ۔ اپنی حیاتِ افسردہ و مردہ کو زندہ و پائیدہ بنا کر فنا کے دامن پر بقا کے گل بوٹے بتاتے اور نقشہائے رنگیں ریح دیتے ہیں۔ یہ اخلاقِ حسنہ سے مزین ہستیاں روتی۔ ملکتی اور دکھوں سے ماری انسانیت کے لئے سامانِ مرہم اور اس کے زخمی دلوں کے لئے سامانِ صدالتیام مہیا کرتی ہیں۔ وہ نور شمع آسائشِ اکبر کی آگ میں جلتے تپتے اور سلگتے ہیں لیکن اپنی ذات کی روشنی سے صد ہا قندیلیں روشن کرتے ہیں

فَاتِحُ بَابِ وِلَايَتِ كَةِ اَقْوَالِ اَجْ بَحْيِ رِه نُوْر دَانِ رَاهِ طَلَبِ كَةِ لِي مَشْعَلِ رَاهِ هِي اِن كُو خَلْعَتِ وِلَايَتِ عَطَا هُوَا اُوْر وِه ذَاتِ نَبِي كَا نَقْشِ ثَانِي بِن كَغِي۔ اِن كِي حَيَاتِ اَقْدَسِ نِي كَرْمِ دَسْرِ زَمَانِه۔ مَسْرَتِ وِعْمِ كِي هِر پِهْلُو كُو دِيْدَه عِبْرَتِ اِسْتِنَا سِي دِكِيْمَا۔ زَمَانِه كِي بَدَلْتِي هُوْتِي تِيُوْر كُو پِهْچَانَا۔ تَلِيْحِ تَجْرِبَاتِ نِي حَقَائِقِ كِي بَصِيْرَتِ عَطَا كِي۔ اِرَادُوں كِي شَكْسْتِ سِي اِپْنِي رِب كُو پِهْچَانَا۔ عَزَامِ كِي تُوْطِنِي سِي شَكْسْتِ كِي قَلْبِ كِي دَوْلَتِ بِيْدَارِ دِمِ نَقْدِ هُوْتِي

عَرَفْتُ كَاتِبَ بَغْسِيْحِ اَلْعَرَبِيَّةِ كِهَا اِن دَر خِيْر كَا اَكْهَاتُ پِهْچِيْنِكُنَا اُوْر لَافْتِي اِلَاْعَلِي كِي خَطَابِ سِي نُوَا زِي اِنَا جَانَا۔ كِهَا اِن مَبَا لِهِي شَرِكْتِ وِمَعِيْتِ رَسُوْلِ۔ سُوْرَه تُوْبِه كِي پُرْهِنِي كِي لِي مَنَجَانِبِ اللّٰهِ مَنْتَحَبِ هُوْنَا نَفْسِ رَسُوْلِ كِي بَشَارَتِ اُوْر پِهْر اِس كِي بَعْدُوْه زَمَانِه نَا سَا زِ كَارِ۔ مَلَامَتِ هَاتِي كُو نَا كُوں۔ نَا كَرُوْه خَطَاؤُوں كِي اِزَامِ۔ بَلَايُوں كِي تِيْرِيْلِيْنِي پِر كِهَانَا۔ سَب وِشْتَمِ كِي مَسْلَسِلِ بُوْجِيْعَارِ۔ رَاهِ كِي كَاتُوں كَا دَا مَنِ سِي اَلْجَهْنَا۔ اِن سَب تَجْرِبَاتِ حَيَاتِ

نے دانش و فکر کے دریچے کھول دیئے۔

بمعنا ابلاغ کے بیشتر اقوال قال نہیں سراسر حال ہیں جن کو پڑھ کر ہر انسان اپنی تعمیر کردار کر کے معاشرہ میں معتبر بن سکتا ہے۔ اسی طرح حسن بھرتی کے مواظب حسنہ جو دل سے نکلتے ہیں اور دلوں میں ترازو ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کے ایک قول اور ایک جملہ نے زندگیوں کی کایا پلٹ دی۔ خطا کا با صفا ہو گئے گنہ گار صاحبِ خدمت بن گئے۔ واعظانِ شیریں مقال کی خراب و منبر پرین ترانیاں اس طرح اثر انداز نہیں ہو سکتیں جس طرح ان صاحبِ دل اربابِ ولایت کے کھنکے ہوئے جملوں اور غنچہ کی طرح چٹکتے ہوئے فقروں نے معرفت کے مخفی رموز دلوں پر افشا کر دیئے۔ ان کی گفتگو نے آن واحد میں رنگِ خودی اور سیاہیِ قلب کو مبدل بہ نور و نورانیت کر دیا۔ اور جب دلوں کی دنیا بدلی۔ خستگانِ راہِ غفلت ان کے دلنشین اقوال سے بیدار ہوئے تو دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کے ایک فقرہ پر غور و تفکر کرنے سے جلوہ حق بصدنازاں کے کاشانہ دل میں مسند نشین ہو گیا۔

اقوال اور طورِ اقوال پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ کچھ اقوال تعلیمات اور ارشادات کے سلسلہ میں زبانہائے معجزتاً ادا ہوتے ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالبین کو راہِ حق کی کٹھن۔ صبر آزما اور دشوار گزار گھاٹیوں سے کس طرح مقصودِ اصلی تک پہنچایا جاسکے۔ یہ اقوال بیشتر بلکہ تمام ترقران و حدیث کی روح کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ اقوال ایک ولی کے مرتبہ ولایت کا لازمی اور ناگزیر جزو ہے۔ دوسری قسم اقوال و ارشادات کی وہ ہے جو توجہ باطنی کا مظہر ہوتی ہے۔ یہ ایک خاص وقت اور خاص لمحہ میں سالک کی آمادہ طبیعت کو دیکھ کر کہے جاتے ہیں تاکہ اس مثل کے مصداق کہو ہے کہ اس وقت پیٹنا چاہیے جب وہ سرخ انگارہ ہو رہا ہو۔ اسے اپنی مرضی کے مطابق بنایا اور سجایا جاسکے۔ یہ وقت ہوتا ہے جب دل اہم آشنا نہیں ہوتے لیکن ان کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر بنائے خونِ جگر ڈالی جاتی ہے۔ صدہا بزرگانِ دین کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ بہ ظاہر معمولی جملوں نے دلوں کی دنیا بدل دی اور وہ کر دکھایا جو بظاہر ارشاد و تلقین کی مسلسل اور طویل کوششوں سے بھی ممکن نہ ہو سکا۔

تیسری قسم اقوال کی وہ ہے۔ جہاں سالک اپنے الہامِ روحانی سے بشارات اور آنے والے واقعات کی طرف اشارے کرتا ہے اور یہ اقوال بطور آگاہی اور بطور تنبیہ کے ہوتے ہیں کہ رہو راہِ سلوک پیچھا رہو اور خطرات سے پُر منزلوں سے وساوس شیطانی سے بچ کر لقاتے حق سے شاد کام

اور خوش وقت ہو سکے۔

تصوف اور علم باطن کے متعلق آپ کے سدہا واقعات اور بیش قیمت و انمول ارشادات موجود ہیں جو ان تینوں اقسام سے تعلق رکھتے اور ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند مقولے انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ فراستِ مومن کی کیا معراج ہے۔ اور ان صوفیائے کرام نے تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کے فرائض کس مہتمم باشان اور عظیم انداز میں ادا کئے ہیں یہ کرامتِ تاثیر و تاثر ایک ایسی نعمتِ الہی اور موہبتِ عظمیٰ ہے جو خواص کے حصہ میں آئی ہے۔ بقول شاعرؒ

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است نہ باہر کس محبت ساز گار است

بروید لالہ باداغِ جگر تاب دل لعل بدخشاں بے شرار است

آپ کے اقوال | آپ نے فرمایا کہ بعض کتابوں میں عبادت اور عبودیت کے درمیان فرق لکھا ہے یعنی وظائفِ بندگی کا شریعت کے مطابق ادا کرنا "عبادت" ہے اور حضورِ قلب میں تعظیم کا خاص خیال رکھنا "عبودیت" ہے لے

آپ نے فرمایا کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبودیت نامہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمام احوال میں خشوع و خضوع کی صفت سے آگاہ رہنا ہے (یعنی تمام حالات و کیفیات میں کیفِ حسی پیدا کرنا ہے) لے

آپ نے فرمایا دو درویش حضرت شیخ ابوبکر واسطی کی ملاقات کو چلے۔ جب شہر کے دروازہ پر پہنچے تو بلیوں کو دیکھا ایک دوسری سے کہہ رہی تھی "افسوس شیخ ابوبکر واسطی نے وفات پائی۔ دو ٹوٹا درویش جو در حقیقت خود صاحبِ حال و مقام تھے یہ سن کر نہایت ملول اور افسردہ ہوئے اور کہنے لگے۔ افسوس ہماری قسمت میں ان کی زیارت نہ تھی۔ خیر چلو۔ ان کے آستانہ اور خانقاہ شریف کی ہی زیارت کر لیں جب آپ کے آستانہ شریف پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ آپ بصحت و عافیت زندہ اور تشریف فرما ہیں نہایت مسرور ہوئے اور سابقہ صورت حال نیز بلیوں کی گفتگو بیان کی۔ سنتے ہی آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا "اللہ سے حضورِ اور آگاہی کی نسبت مفقود اور

لے مقاماتِ عالیہ ۵ لے ایضاً ۵





پر جس چیز کا خیال چھا جاتا ہے وہی چیز اسے ستائی اور دکھائی دیتی ہے۔ میں ایک بار لکھنؤ سے بھوپال جا رہا تھا۔ غلبہ ذکر کی بنا پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریل سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے۔ وہ بھی **إلا اللہ إلا اللہ** کہہ رہی ہے چنانچہ موصوف نے بے اختیار یہ اشعار موزوں فرماتے سے

کوئی ہو آواز میرے کان میں ہر صدا آوازِ **إلا اللہ** ہے  
وہد میں جاں ہے تو اعضا قص میں جام سے آوازِ **إلا اللہ** ہے

آپ نے فرمایا کہ مقام تمکین پر فائز ہوتے بغیر بے ضرورت بات نہ کرنا چاہیے۔ جس طرح بہت ہنسنا دل کو مردہ کرتا ہے اسی طرح بہت اور بے ضرورت بات کرنا دل کی موت ہے اور مقام تمکین سے مطلب ہے کہ حضوری و آگاہی دل کی ذاتی صفت بن گئی ہو اور وہ کسی طرح زائل نہ ہو۔ جس طرح قوتِ سامعہ اور قوتِ بامرہ سماعت و بصارت کی ذاتی صفات ہیں۔ جس وقت اس مرتبہ پر حضوری و آگاہی حاصل ہو جلتے اس وقت بات کرنا چاہیے۔ ورنہ غفلت پیدا کرنے والی ہے۔ اور غفلت دل کی موت ہے۔ اور آگاہی و حضوری دل کی زندگی آپ نے فرمایا۔ اکابرِ طریقت کا ارشاد ہے کہ جو دل غم سے خالی ہو اسے کتے کے سامنے ڈال دینا چاہیے

وہ دلِ دل نہیں ہے بلکہ جانوروں کی طرح سے گوشت کا ایک ٹوکھڑا ہے۔ یہ شعر کیا ہی اچھا ہے  
جرعہ نوشانِ جہاں ارشاد کا می دغم است اے خوشاں دل کی دروے سکہ غم می زند  
حضرت مولائے رومی فرماتے ہیں کہ

اں روح را کہ عشقِ حقیقی شعار نیست نابودہ بہ کہ بوئن او غیر عار نیست  
اور حضرت شیخ بہائی فرماتے ہیں کہ

دل کہ فارغ شد ز مہر آں نگار سنگ استنجائے شیطانش شمار

آپ نے فرمایا۔ ایک بچی پر وحی آئی کہ اپنی امت کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکل جاؤ۔ ان کی نافرمانیوں کے سبب ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ وہ یہ حکم ملتے ہی باہر چلے گئے۔ اس شب کوئی عذاب نازل نہ ہوا انھوں نے اس سلسلہ میں دعا کی۔ خطاب ہوا کہ ایک بت تراش بیدار تھا اور بت تراش رہا تھا اس کی بیداری کی برکت سے عذاب نازل نہ ہوا

آپ نے فرمایا۔ اکابرِ طریقت کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مشائخ کے سلسلہ سے لاعلم ہو اور

ان کی نسبت خرقہ سے نابلد ہو وہ اقتدار کے لائق نہیں ہے لہ

اعزہ میں ایک شخص بیمار تھا اس کی بیماری سے آپ کو بہت دکھ ہوا فرمایا نیک لوگ بہت غنیمت

ہیں۔ انسان جبہ و دستار سے انسان نہیں ہوتا ہے

گر بہ صورت آدمی انسان بدے احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

جو شخص اپنے اعزہ پر رنجیدہ نہ ہو وہ کتا ہے لہ

آپ نے فرمایا۔ اکابر طریقت کی یہ وصیت ہے کہ مرید کو اجنبی کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے

اور مشائخ کو چاہیے کہ اپنے مریدین کو غیر لوگوں کی صحبت سے منع کریں کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا یکسوئی میں

تفویق پیدا کرتا ہے لہ

آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب فرماتے تھے بعض اکابر نے کہا ہے ذِکْرُ اللِّسَانِ یَذِیْبَانُ وَ

ذِکْرُ الْقُلُوبِ دَسُوسَةٌ (ذکر رہانی ہذیان ہے اور ذکر قلبی وسوسہ) پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جس وقت

حضرت حق کے ساتھ آگا ہی اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ دل کو طمانیت حاصل ہو گئی تو یقیناً وہ ہذیان اور وسوسہ

ہوگا

چوں شدی برامہائے آسماں زشت باشند جست و جوئے نروباں

عبادات و اذکار کا اصل مقصد حضور مع اللہ ہے لہ

آپ نے فرمایا کہ خستوع سے مطلب تذلل اور رقتِ دل ہے اور خضوع سے مطلب انکسار و فروتنی

جوارح ہے۔ مرید کے منجملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا جسم خاضع اور دل خاشع ہو جیسا کہ

ماتوره دعاؤں میں ہے کہ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ تَلَبٍّ لَا یُخْشَعُ لَہ

آپ نے فرمایا۔ ایک شخص کے تلوٹوٹے لگاتے گئے۔ ننانوے کوڑوں تک تو اس نے ان

نہ کی لیکن آخری کوڑا پڑتے ہی بلبلا اٹھا اور چیخنے چلانے لگا۔ اس سے کہا گیا تو ننانوے کوڑوں تک تو

بالکل خاموش رہا اور اُن نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوڑے تجہ پر اثر ہی نہیں کر رہے ہیں اور آخری

کوڑے پر تو اس قدر واویلا مچا رہا ہے۔ کہنے لگا کہ ننانوے کوڑوں تک میرا حال یہ تھا کہ مجھے مشاہدہ محبوب

حاصل تھا اسمیں محویت کی وجہ سے ان کوڑوں نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور آخری کوڑے کے وقت میں اسکے

نہ مقامات عالیہ، ۱۵ ایضاً ۱۵ لہ ایضاً ۱۹ لہ ایضاً ۳۴ لہ ایضاً ۸۵

مشاہدہ سے غیر حاضر رہا جس کے نتیجہ میں میرے جسم پر ظاہری طور پر اس کا اثر ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مشاہدہ محبوب میں کسی قسم کا رنج و الم مطلق محسوس نہیں ہوتا۔ اور اسکی بے پناہ لذت رنج و الم کو کوڑھانپ لیتی ہے۔

آپ نے فرمایا: خلوت میں بیٹھ جانا۔ آسمان پر اڑنا۔ اور پہاڑوں و غاروں میں بیٹھ رہنا درویشی نہیں ہے درویشی یہ ہے کہ اپنے دل کو ماسوا سے خالی دیکھ سکرے۔

آپ نے فرمایا: ہمت سے مطلب ہے غلبہ اور کسی ایک چیز پر یکسوئی۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جس کو کوئی اہم کام درمیش ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی پریشانی اور ہم کے مناسب اسما کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو۔ مثلاً اگر خورد بیمار ہو یا کوئی دوسرا تو اپنی پوری ہمت اسم یا شافی کی جانب مصروف کرے اور اگر مانی حیثیت سے پریشان ہو تو اپنی ہمت کو اسم یا غنی کی جانب مصروف کرے کیونکہ اسما کی طرف پورے طور پر متوجہ ہونا باعث فلاح و نجات ہے۔ چونکہ ہمت کی تاثیر عظیم اور اس کے آثار کا مرتبہ متحقق و یقینی ہے لہذا اگر کوئی شخص عقل و ایمان کے مطابق حصول درجات (اخروی) اور سعادت سرمدی کی جانب ہمت مصروف کرے گا تو ہدایت پائے گا اور اگر اسے (ہمت کو) دنیا کی طرف متوجہ کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا: اکابر نے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ جس طرح قرآن کے تفسیری و معارضہ ممکن نہیں اسی طرح ہمت کے ساتھ بھی معارضہ ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص معارضہ کرے تو وہ یقیناً مغلوب ہوگا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام بحر توحید میں غرق رہنے کے باوجود اپنی ہمت کو دشمنوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مصروف رکھتے تھے اور عزت و اعزاز وغیرہ میں سعی بلیغ کرتے تھے۔ خواہر کو رفع موانع و دفع اعدائے دین کیلئے صرف کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اصحاب تجرید کو چاہیے کہ کبھی کبھی ہمت کا امتحان کرتے رہیں کہ ان کو۔۔۔۔۔ کس مرتبہ سے مناسبت ہے اور ان کی ہمت کی تاثیر کیسی ہے۔ حضرت شیخ محمد بن الدین ابن عربی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کمال ہمت سے آگ کی تاثیر کو ختم کر دیا۔ چونکہ ان کی ہمت آگ کے اثر کو دفع کرنے میں مصروف تھی لہذا ان کے کمال ہمت میں قول قلنا یا ناس کوئی جوداً و سلاماً علی ابراہیم مرتب ہو گیا۔

مقامات عالیہ ۱۹ ص ۱۹ سے اس کی علمی و عملی مکمل تشریح و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمائی ہے تفسیر ترجمہ قول بلی سے معلوم ہو سکتی ہے

۲۴ ۲۵ ایضاً ۲۴ - ۲۵

آپ نے فرمایا کہ جب کوئی دوست یا عزیز بیمار ہو تو (جیسے ظاہری دوا علاج کے) ہمت سے اس کی مدد کرنا بہت اچھا ہے اور مدد و طرح پر کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنی ہمت پورے طور پر مصروف ہوتا کہ مرض زائل ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مرض کی حالت میں تفرقہ بہت پیدا ہوتا ہے اور آسانی کے ساتھ دل مطمئن نہیں ہوتا (چاہیے) کہ ہمت سے مدد کرے تاکہ خطرات متفرقہ (خیالات پریشان) دور ہوں اور جو کچھ مقصد اصلی ہے۔ وہی نصب العین ہو جائے لے

آپ نے فرمایا کہ اکابر طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ علم و دانش سب سے بڑا حجاب ہے (یعنی العلم حجاب الکبر اور اس سے گزرنا سخت دشوار اور مشکل ہے لے

آپ نے فرمایا کہ بعض اکابر طریقت نے ذکر و توجہ کے وقت جبیں دم کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ بات کسی نے حضرت شیخ بہاء الدین عمر کی خدمت میں بیان کر دی انہوں نے فرمایا کہ جبیں نفس بند ہوگیوں کا طریقہ ہے اور جو اس راہ کے لئے ضروری شرط ہے وہ حصر نفس ہے نہ کہ جبیں نفس۔ جب حضرت خواجہ یوسف بن حضرت خواجہ حسن عطار کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ بہاء الدین عمر نے اس بات کی نفی کی ہے تو ان کو لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے جبیں نفس کے طریقہ کی نفی کی ہے اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ یہ چیز متحقق و مقرر ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین اور ان کے خلفاء نے اسی جبیں نفس کا حکم دیا ہے شیخ بہاء الدین نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد اس بات سے ان کے طریقہ کی نفی نہ تھی اور اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا بلکہ مبہم دیا ہے

آپ نے فرمایا۔ اکابرین میں سے ایک نے لکھا ہے کہ میں نے حسین بن منصور کی چار سو تھانیف مطالعہ کیں۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نہ پائی جو ان کے عدم استقامت پر دلالت کرتی ہو اور اہل اللہ کے عقیدہ کے خلاف ہو لے

آپ نے فرمایا۔ سید قاسم فرماتے تھے کہ دو گروہ بہت محروم اور حقیقت سے دور ہیں۔ ایک تو وہ علماء جنہوں نے اپنی معلومات کو محدود کر رکھا ہے یعنی جو کچھ وہ جانتے ہیں بس وہی سب کچھ ہے۔ دوسرے وہ سادات جو نسبت صوری پر قانع اور مغرور ہیں اور نسبت معنوی و کمالات سے محروم ہیں اور یہ دونوں چیزیں ان کے لئے حجاب ہیں لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اپنے مہمان بھائیوں کے ساتھ کھانا کھانا نفل روزہ سے بہتر ہے لے

آپ نے فرمایا حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شریعت و طریقت و حقیقت ایک ہی چیز ہے اور اس کی اس طرح مثال دی کہ جھوٹ بولنا غیر شرعی بات ہے۔ زبان کی جھوٹ سے حفاظت کرنا شریعت ہے اور جھوٹ کے خیال

لے مقامات عالیہ ۲۸ ص ۲۵ ایضاً ۲۹ ص ۲۵ ایضاً ۳۰ ص ۲۵ ایضاً ۳۰



آپ نے فرمایا۔ سہل بن عبد اللہ تسمیٰ حضرت ذوالنون مصری کے شاگرد تھے۔ جب تک حضرت ذوالنون مصری حیات رہے نہ آپ نے اپنے پاؤں دراز کئے اور نہ (حقائق و معارف کے سلسلہ میں) کوئی بات فرمائی۔ ایک روز خلاف معمول پاؤں دراز کر کے حقائق و معارف بیان فرمانے لگے۔ حاضرین نے صورت حال دیکھ کر استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تک حضرت ذوالنون روئے زمین پر رہے۔ میری نہ بات کرنے کی مجال تھی اور نہ پاؤں دراز کرنے کی آج وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ لہذا میری یہ صورت حال بے ادبی نہیں ہے لے

آپ نے فرمایا کہ ذکر کرتے وقت مذکور کے ساتھ رابطہ اور آگاہی شرط ہے۔ اسی آگاہی کو شہود۔ وصول اور وقت قلبی کہتے ہیں اور یہ آگاہی جب تک مستقل نہ ہو اس کو اہل شہود و جود نہیں کہتے لے

آپ نے فرمایا کہ بدن کے لوازمات اور مقتضیات بعض ارواح کے لئے حجاب نہیں ہوتے۔ اور جو کچھ روح کو اس میں معلوم و مشہود تھا وہ فراموش نہیں ہوتا۔ مرصاد العباد میں ہے کہ شیخ علی موزن کہتے تھے مجھ وہ وقت یاد ہے جب میری روح بدن میں ڈالی گئی اور فرشتوں کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہا کہ افسوس۔ صد افسوس۔ اس کی روح کو عالم قدس سے عالم سفلی کی طرف لئے جا رہے ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں معاصی ہیں۔ حضرت حق سے خطا ہوا کہ میری عزت و کبریائی کی قسم۔ اگر ایک لاکھ سال بھی وہ جو اہل قدس میں رہے تب بھی اس کی وہ وقعت اور قدر و منزلت نہ ہوگی جتنی اس دنیا میں رہ کر ایک ڈول پانی سے بھر کر کسی بڑھیا کو سیراب کرنا۔ (یعنی عالم قدس میں اس کی سکونت عالم سفلی میں ایک بڑھیا کو پانی پلانے کے ثواب میں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھنی لے

آپ نے فرمایا۔ خادم خدمت کے شرائط کا جتنا زائد خیال رکھے گا۔ ادب و حضور اور انکسار بڑھتا ہی ہے گا اور یہ خدمات اس کے لئے جرات کا سبب نہ ہوں ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا لے

آپ نے فرمایا مرید کو چاہیے کہ شیخ کے تمام عادات و اطوار و افعال کو اسی طرح محبوب رکھے جس طرح محبوب کا ہر فعل اور ہر ادا محبوب ہوتی ہے اور اگر اس کا کوئی فعل یا ادا محبوب یا پسندیدہ نہ ہو تو فوراً اس کا ازالہ کرے اور یہ سمجھے کہ شاید اس میں حکمت یا مصلحت ایسی ہے جس کا اسے علم نہیں ہے۔ اس کی استعداد اسکی مقتضی نہیں ہے۔ اور یہ خیال کر کے اس کے ازالہ کی کوشش کرے تاکہ فیض کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ اور اس کا ازالہ استغفار کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا نظام الدین فرماتے تھے کہ خواجہ غلام الدین کے ایک عورت آئی جیسے ہی حضرت خواجہ کی اس پر نظر پڑی فوراً بیہوش ہو کر گر پڑی۔ میرے دل میں آیا کہ آپ نے کیوں ایسی توجہ فرمائی

جو وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ لیکن میں فوراً متنبہ ہو گیا۔ میں نے کہا مجھ کو اس سے کیا مطلب اور کیا سروکار۔ آپ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔ حضرت نے فوراً فرمایا۔ مولانا نظام الدین نے اپنے کو بہت جلد آزاد کرالیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مرید کو اپنے مقتدا کے ادب کا لحاظ اہم کام ہے (ادب کا پاس رکھنا بہت مشکل کام ہے)

آپ نے فرمایا۔ ایک روز حضرت خواجہ عبید اللہ انصاریؒ کا پیر سہوا (بھوٹے) اپنے شیخ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مصلے پر پڑ گیا۔ انھوں نے اس پر توبہ واستغفار نہ کیا۔ اس دوران آپ ہر می میں تھے وہاں کے بادشاہ کو جو بلخ میں تھا یہ دکھایا گیا کہ وہ بد مذہب ملحد عذاب و عقوبت کا مستحق ہے۔ اسکو لاکر سنگسار کر دو اس حکم کے بموجب آپ کو قید کر لیا گیا اور بلخ کی جانب لے چلے۔ راستہ میں بلخ سے ہری جانے والے لوگ ملے اور کہنے لگے۔ بلخ والوں نے ایک ملحد کو سنگسار کرنے کے لئے بے شمار پتھر جمع کئے ہیں۔ خواجہ عبداللہ یہ سن کر سخت متحیر ہوئے اور سوچنے لگے کہ ان سے کون سا گناہ اور جرم ایسا سرزد ہوا جو اس مواخذہ کا سبب ہوا۔ بہت غور کرنے کے بعد ان کو یاد آیا کہ ایک روز غلطی سے ان کا پیر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے مصلے پر پڑ گیا تھا۔ اس غلطی پر انھوں نے توبہ کی اور نہ استغفار کیا۔ چنانچہ آپ نے فوراً توبہ واستغفار کرنا شروع کیا۔ اس عبادت اس بادشاہ نے خواب میں حضرت شیخ کو یہ فرماتے سنا کہ عبداللہ نے اپنے جرم و گناہ پر استغفار کر لیا (معافی مانگ لی) لہذا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اب اس کو ذرا بھی تکلیف نہ دو۔ بلکہ عزت و احترام کرو۔ جب وہ بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور حضرت شیخ کے اشارہ اور فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے تمام معززین اور اشراف و اعیان کو ساتھ لے کر آپ کے استقبال کو چلا اور خدمت میں حاضر ہو کر نہایت تعظیم و تکریم کی۔ چند روز بعد نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ قدس سرہ نے لکھا ہے کہ آدمی پر جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اسے بارگاہِ الہی میں تضرع و زاری کرنا چاہئے۔ تاکہ اس بلا سے چھٹکارا پائے۔ اور یہ صورت صبر کے منافی نہیں ہے کیونکہ صبر نہ کرنا غیر حق سے شکوہ کرنا ہے اور بارگاہِ الہی میں گریہ و زاری کرنا قاطع صبر نہیں ہے۔ جیسا حضرت ایوب علیہ السلام کے سلسلہ میں واقع ہے کہ آپ نے انی مستی الضر و انت ارحم الراحمین فرمایا لیکن اس کے باوجود انا وجدناہ صابواً فعدا العبدان کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اگر صبر پر تضرع و زاری نہ کرے اور



اللہ تعالیٰ سے اس کے دفعیہ کی التجانہ کرے تو یہ مناسب نہیں ہے اور نہ اس کو اچھا سمجھا گیا ہے بلکہ اس کو قہرِ الہی سے جنگ (مقابلہ) کہا ہے اور اس سے مقابلہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کے ساتھ نواب اور گریہ وزاری ہی کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو دور فرمادے لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ عرباغستانی قدس سرہ اپنے صاحبزادہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! پاکی طمانہ ہو۔ شیخ نہ ہو۔ صوفی نہ ہو بلکہ مسلمان ہو لے

آپ نے فرمایا۔ منقول ہے کہ شیخ بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا "بہار الدین کے وجود سے مطلب محمدی کا ظہور ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کی مراد اس اسم سے خواجہ محمد پارسا ہیں لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اولیائے امت نبیؐ کی ولایت کے وارث ہیں جو کچھ رشد و ارشاد اور ہدایت و تلقین ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب دراصل آنحضرتؐ کے ہی کمالات ہیں جس طرح علمائے امت نبیؐ کی نبوت کے وارث ہیں اسی طرح جو کچھ علماء و اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کے ہی کمالات ہیں لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولانا نظام الدین نے مزارات پر فاتحہ خوانی کا ایک طریقہ مجھے بتایا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک بار۔ آیتہ الکرسی ایک بار۔ قل ہو اللہ بارہ بار اور درود شریف دس بار پڑھنا چاہیے لے  
آپ نے فرمایا۔ اسمعیل آتا سے منقول ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ فرماتے تھے "آفتاب میں سایہ ہو جاؤ۔ سرمہ میں جامہ ہو جاؤ اور بھوک میں روٹی ہو جاؤ" آپ ان تین باتوں کی بہت تعریف فرماتے تھے اور کہتے تھے یہ بڑی جامع ہیں لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولانا نظام الدین سے میں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشْرَبِي عِةَ اَوْاٰلِي وَالطَّرِيقَةِ اَفْعَانِي وَالْحَقِيْقَةَ اَوْاٰلِي نُوْغُوْنَ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا حال کیسا ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ اگر میری نظر کسی جانب ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسری جانب مجھے نظر کرنے کا موقع مل بھی سکے گا یا نہیں۔ اور اگر میرے منہ میں لقمہ ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے نگل بھی سکوں گا یا نہیں آپ فرماتے تھے۔ میں نے یہ حدیث نہ کہیں لکھی دیکھی اور نہ کسی سے سنی۔ صرف "شہاب الاعتبار" میں جس کا نام "صنور الاخبار" بھی ہے ایک حدیث اسی سے ملتی جلتی لکھی ہے لے

لے مقالم عالیہ ۴۵ لے ایضاً ۴۵ لے ایضاً ۴۸ لے ایضاً ۴۹ لے ایضاً ۵۲ لے ایضاً ۵۴

آپ نے فرمایا حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ روحہ فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو پیاسے کو پچاس بار پانی پر لیجا کر بھی بیاسالاؤں ۴ تو نقشِ نقشبندان را چہ دانی لے

آپ نے فرمایا امام ابو یزید دیوسی قدس سرہ نے کتاب مقصدات میں لکھا ہے کہ "ایک گروہ ایسا ہے جو عدم معرفت کی وجہ سے دنیا کی مذمت کرتا اور سلطنت و بادشاہت کو بھی بُرا کہتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں بڑی نہیں ہیں کیوں کہ آدمی جس طرح فطرثاً کھانے کا محتاج ہے اور بغیر قوت کے عبادت ممکن ہی نہیں ہے اسی طرح گھر گزرتی اور لباس وغیرہ وغیرہ۔ اور دنیاوی مال و دولت۔ روپیہ پیسہ اگر اصولِ شریعت کے مطابق فقراء و مساکین کی امداد و نصرت کے لئے صرف کیا جائے تو درجاتِ اخروی کے حصول کا سبب ہو جاتا ہے اور درجاتِ اخروی کے بے شمار مراتب دنیا سے ہی وابستہ ہیں۔ دنیا حاصل کئے بغیر اس کا حصول مشکل ہے۔ اور سلطنت بھی ایک بلند مرتبہ ہے جو مرتبہ نبوت سے قریب ہے۔ نبوت کے بعد کوئی مرتبہ سلطنت و بادشاہت سے زائد معزز نہیں ہے۔ شریعت اور دین و ملت کی حفاظت جتنی بادشاہوں سے ممکن ہے کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہے ۵

آپ نے فرمایا۔ جن بادشاہوں کا کل احکام خداوندی اور شریعتِ محمدی پر نہیں ہے ان کے گھر میں خدا و رسول نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ ملک و ملت ان کے ہی فکر و تدبیر پر منحصر ہے۔ قل اللہم مالک المملک

وقی اللک من تشاء کی آیت سے غافل ہیں۔ سلطنت و عزت عنایتِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ۶

آپ نے فرمایا۔ ایک روشن ضمیر شخص نے یہ معلوم کیا کہ اس سال کس کس کا حج قبول ہوا اور کس کا قبول نہیں ہوا اسے مکشوف ہوا کہ ایک شخص کے علاوہ سب کا حج قبول ہوا۔ حالانکہ وہ نہایت صالح اور پاکیزہ تھا۔ اس کو اس بات سے بہت تعجب ہوا۔ جب اس کا سبب معلوم کیا تو اس کے سر میں ندا کی گئی (بتایا گیا) کہ اس کی نامقبولیت کا سبب یہ ہوا کہ اس نے اپنی والدہ کی رضا مندی کے بغیر حج کیا تھا ۷

آپ نے فرمایا۔ میرے ماموں خواجہ ابراہیم فرماتے تھے کہ زمانہ والوں کا بھی عجیب حال ہے وہ جو بھی کہیں اس کی تصدیق کرنا چاہتے ورنہ دشمن ہو جاتیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں زہرہ وزحل تک کو آسمان سے دُور لیجاؤں گا تب بھی اسے تسلیم کر لینا چاہیے اور اس کی مخالفت نہ کرنا چاہیے حالانکہ یہ چیز محال ہے ۸

آپ نے فرمایا۔ ادب یہ تو ہے کہ اگر کسی درویش کی صورت دیوار پر بتی ہو تو اس دیوار کے نیچے سے بھی ادب سے گذرنا چاہیے۔ اور درویشی یہ ہے جس کی تعریف پیمبرات نے ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ درویشی پستی

۵ مقامات عالیہ ۵۷ گم ایفا ۵۵ ۶ ایفا ۶۵ ۷ ایفا ۸ گم ایفا ۸۵ ۹ ایفا ۹۵

خاکے پیختہ و آبے براں ریختہ۔ نہ پشتِ پارا ازاں دردے و نہ کفِ پارا ازاں گردے : (یعنی درویشی کیا ہے۔ درویشی چھنی ہوئی اور پانی ملی ہوئی (گندھی ہوئی) مٹی ہے۔ نہ پیروں کی پشت اس سے گرد آلود ہوتی ہے اور نہ تلووں کو اس سے کوئی تکلیف ہوتی ہے) اور درویشی کا خلاصہ یہ ہے کہ خود ہر شخص کا بار اٹھائے لیکن خود کسی پر بار نہ ہو۔ نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر لے

آپ نے فرمایا: حضرت خواجہ بہاء الدین فرماتے تھے کہ میں نے مکہ معظمہ میں دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نہایت عالی ہمت۔ اور دوسرا نہایت پست ہمت تھا۔ جو پست ہمت تھا اسے میں نے بحالت طواف دیکھا کہ ایسی متبرک جگہ اور مبارک اوقات میں ہاتھ باندھے بیٹھا ہوا اللہ سے غیر اللہ کا مطالبہ کر رہا تھا اور جو بلند ہمت تھا وہ ایک جوان تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ منیٰ کی بازار میں پچاس ہزار دنیا کی خرید و فروخت کی لیکن اس دوران ایک لمحہ بھی اس کا دل اللہ سے غافل نہ ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر اتنی شرم (غیرت) آئی کہ خون میرے اندر سے ابل پڑا لے

ایک روز آپ نے فقر کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم سے خطاب فرمایا اے غوث الاعظم! قل لا صحابك باحتیاس الفقر ثم بالفقر عن الفقر فاذا تم فقرهم فلا هم الا اننا (اے غوث الاعظم! اپنے اصحاب کو فقر اختیار کرنے کا حکم دو۔ پھر فقر عن الفقر کا۔ جب ان کا فقر کامل ہو جائے گا تو ان کا وجود باقی نہ رہے گا بلکہ عین میرا وجود ہو جائے گا) (الفقر اذا تم هو اللہ این است) لے آپ نے فرمایا۔ حصول نیستی کے بے ذلت و خواری کی راد اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس نیستی کے آئینہ میں شاید لاہوتی کے جمال کا مشاہدہ کرے لے

آپ نے فرمایا جو طالب لوگوں سے ذلت پانے اور ان کی گالی گلوچ سے خوش نہیں ہوتا۔ کبھی حقیقت کے معانی کی خوشبو مشام جاں تک نہیں پہنچا سکتا اسلئے کہ محققین کے نزدیک لا فاعل فی الوجود الا اللہ ایک امر مقرر ہے جو کچھ محبوب سے ملے۔ خواہ ذلت ہو یا گالی گلوچ۔ محب کو نیاز مند انہ روش ہی اختیار کرنا چاہیے۔ سرور ہی حضور کا سبب ہوگا۔ (ہرچہ از دوست می رسد نیکیوست) دشنام طرازی بھی معشوق کی ایک صفت ہے محب کو ہمہ وقت اسی کے صفات و افعال پر نظر رکھنا چاہیے اور اس پر بجائے شکوہ و شکایت کے خوش اور سرور رہنا چاہیے لے

لے مقامات عالیہ ۹۸ لے رشحات ۱۴۱ لے ایضاً ۱۴۵ لے ایضاً ۱۴۶ لے ایضاً ۱۴۷

آپ نے فرمایا۔ کوئی چیز حقیقت انسانی کو اتنا پاک و صاف نہیں کرتی جتنی خصوصاً بلا و محنت۔ کیونکہ یہ سب حجاب غلیظ کو اٹھا دینے والی ہیں۔ یہ حدیث شریف ان اشد البلاء علی الانبیاء علی الاویام ثم الاہل فالشہاء اسی بات کی شاہد ہے۔ ہم اسی طریقہ کے معتقد ہیں۔ لیکن ہمارے دوستوں میں سے کسی ایک کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ حضرت سلطان بایزید قدس سرہ فرماتے تھے لَوَ اِنِّی اَرْفَعُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (یعنی میرا جھنڈا حضور کے جھنڈے سے بلند ہے) اکابر (صوفیاء) نے اسکی تاویل میں کہا ہے کہ لَوَ اِنِّی سے آپ کا مطلب ہے مرتبہ ولایت۔ اور لَوَ اِنِّی سے مطلب ہے مرتبہ نبوت۔ اور لَوَ اِنِّی سے لَوَ اِنِّی سے یہی معنی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمیل سے فرمایا سَأَلِ الْعُلَمَاءَ وَخَالِ الْحُكَمَاءَ وَجَالِسِ الْكُبْرَاءَ یعنی علماء سے سوال کرو۔ حکما سے میل جو رکھو اور اکابر کی ہم نشینی اختیار کرو۔ اکابر طریقت نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ صاحبانِ ذوق و حال کی ان علمائے ظاہر کے ساتھ نشست و برخاست جن پر احکام علمیہ غالب ہیں پسندیدہ و مستحسن نہیں ہے۔ ان کی ہم نشینی عطا و بخشش کا سدباب کر دیتی ہے۔ ان کی ملاقات (صرف) ضرورتاً کرنا چاہیے۔ جیسا مسائل العلماء سے ظاہر ہے۔ اور حکما سے مراد وہ گروہ ہے۔ جن کے پیش نظر قلوب کے احوال و اوصاف ہیں وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کی ملاقات اور ان کے وہاں آمدورفت سابقہ فرقہ کے مقابلہ میں زائد کرنا چاہیے۔ جیسا خالط الحکما سے ظاہر ہے۔ اور کبرا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل ماسوا سے خالی ہو چکے ہیں اور وہ اس کی جانب متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ان کی حقیقت مقصودِ اصلی میں سکونت پذیر ہے جیسا جالس الکبرا سے ظاہر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اس امت سے مسخ صورت مرتفع ہے (صورت کا مسخ ہونا اٹھایا گیا ہے) لیکن مسخ باطن واقع ہے اور مسخ باطن کی علامت یہ ہے کہ صاحب کبیرہ کا باطن گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے باوجود متالم و متاثر نہ ہو۔ اور فسق و فجور و معاصی میں اس حد تک مبتلا ہو گیا ہو کہ جب اس سے گناہ کبیرہ صادر ہو تو اس کے کرنے کے بعد بھی اسکے باطن میں کوئی ندامت و ملال نہ پیدا ہو۔ اور اگر اس کو تنبیہ کی جائے تو وہ بوجہ اپنی قسادت قلبی (قلب کی سختی) کے متنبہ و متاثر نہ ہو۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔



بہت کوشش کرے گا لیکن کوئی اس کی ہدایت نہ قبول کرے گا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد باوجود اس کے کہ لوگوں میں آپس میں بہت نکاح ہوں گے لیکن کسی نے اولاد نہ ہوگی۔ وہ سب بانجھ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی سہ

آپ حضرت سید قاسم کے حوالہ سے فرماتے تھے سے

قضا سے است پنچ انگشت دارد چو خواہد از کے کلمے بر آرد

دو برو چشمش نہد و نیز بر گوش یکے بر لب نہد گوید کہ خاموش لکھ

(قضا) موت پانچ انگلیوں والا ایک ہاتھ ہے۔ وہ جب کسی سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہے تو اپنی انگلیاں اس کی دونوں آنکھوں پر اور دو کونوں کانوں پر رکھ دیتی ہے۔ اور ایک اس کے دونوں ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش کر دیتی ہے۔

آپ نے فرمایا شیخ خاوند ظہور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ تمام گروہوں میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے جس میں خوبصورتی اور حسن نہیں اس میں دلبری و دلربائی اور جس میں کمال نہیں اس میں رہبری نہیں اور اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ توحید سے مطلب ہے جسم کو شہوات سے عبادت کے لئے منفرد اور مخصوص کر دینا اور دل کو عبودیت کے لئے خطرات سے یگانہ دیکھنا اور اسی رسالہ میں یہ اشعار بھی لکھے ہیں

محبوب بجز حبیب زیبا نہ بود ہر بانجھ جائے تماشا نہ بود



دل را بہ کسے مدہ کہ در عالم عشق ہر جا کہ رود رخت دلاں جان بود



دل را بہ کسے بخش کہ دلدار بود جاں را بہ کسے مدہ کہ خریدار بود

آپ نے فرمایا۔ صاحب کشف المحجوب نے کہا ہے کہ تمام محققین نے مجاہدہ کو مشاہدہ کا سبب کہا ہے۔ اور سہل بن عبداللہ تستری نے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت کہا ہے اور دنیاوی زندگی کو حصول مراد کے سلسلہ میں حیاتِ عقبیٰ پر فضیلت دی ہے یہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شہبازِ دل بہ چاہتا ہے کہ ناسوتی قیود کو توڑ کر عالمِ علوی کی جانب پر واز کر جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ "أَطْلُبُوا السَّوَابِجَ مِنَ الْجَسَانِ" (یعنی ضرورتوں کو تو بصورتِ چہرے والوں سے طلب کرو) اور حسان الوجہ سے مراد وہ حقایق ذاتی ہیں جو خواہش اور طبیعت کے تصرف سے محفوظ ہوں (یعنی ہواؤ ہوس کا اس میں شائبہ نہ ہو)۔

آپ نے فرمایا کہ بعض حضرات نے اشارتاً یہ کہا ہے کہ انبیاء و رسولوں کی بعثت کا (اصل مقصد) دراصل حضرت حق کے جمال و کمال کا ظہور ہے اس لئے کہ مقصودِ اصلی حضرت حق کے اوصاف کا ظہور ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس کے مظہر اور آئینہ حق ہیں ان کا وجود بشریت عارضی ہے چنانچہ یہ آیات کریمہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ اور وہ جماعت جو ازلی طور پر اپنے کمال استعداد کے ساتھ ہدایت یافتہ ہونے پر مقرر ہوئی ہے اسی مظہر اور آئینہ کمال و جمالِ حقیقی سے دیکھتی ہے اور اسی صفائی استعداد کی بدولت منجذب اور بہرہ مند ہوتی ہے۔ اور اکابر اولیاء اللہ بھی ایسے ہی ہیں یعنی مظہر اور آئینہ حق ہیں اور اس موقع پر یہ اشعار پڑھے۔

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے      چندیں سخنِ خوب کہ گفتے کہ شنیدے  
گر باد نہ بودے کہ سہ زلف ربودے      رخسارہ معشوق بہ عاشق کہ نمودے

آپ نے فرمایا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ شیطان کا بھی ایک عرش ہے اور وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اور عرش پر اس کے استوی کے سبب کوئی چیز اس کے احاطہ تصرف اور ہوا جس سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا احاطہ بھی مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی مرتبہ میں ثابت ہے اس کی تاثیر سے نجات ممکن نہیں ہے لیکن وہ جماعت جو تشریفِ اضافت سے مشرف ہیں (یعنی اللہ سے اسے خاص نسبت حاصل ہو) یعنی

۱۔ مقامات عالیہ ۲۔ ۳۔ ایضاً

وہ بندگانِ خاص جو اسم اللہ سے محاط ہیں اور مشہود ذاتی کی تجلی سے مشرف ہیں۔ چونکہ تمام عالم ان ادیاء اللہ کے لئے مشہود ذات کا آئینہ ہے اس حالت میں اگر شیطان بسبب اس احاطہ و غلبہ کے جو وہ رکھتا ہے ظاہر ہو وہ بھی اس مشہود کا مظہر اور آئینہ ہو گا سہ۔  
آپ نے فرمایا۔ صاحب شریعت ابو بکر قحطبی سے منقول ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جو امر تکوینی کے ..... تحت نہیں آتی یعنی حادث نہیں ہے سہ۔

آپ نے فرمایا۔ بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ سادات میں سے ایک شخص پر بسبب ان کے احکام شرعیہ پر کلتا عامل ہونے کے معترض تھے۔ ایک روز حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ ان کو سلام کیا۔ انہوں نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے دوبارہ سلام کیا پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب نہ دیا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ مجھ سے کون سی ایسی بے ادبی سرزد ہوئی جو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا اور آپ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم فلاں شخص کو کیوں اذیت دیتے ہو۔ انہوں نے کہا آپ کو علم ہے کہ وہ شریعت کے احکام میں سستی کرتا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرا مقصد اس بات سے امر معروف اور نہی منکر کا ساقط ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس سے مطلب سادات کی عزت و احترام ہے بواسطہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سہ۔

آپ نے فرمایا جس شہر میں سادات ہوں میں وہاں رہنا نہیں چاہتا کیوں کہ ان کی تعظیم و احترام جیسی ہونا چاہئے وہ اکثر مجھ سے نہیں ہو پاتی حضرت امام اعظم کا قصہ ہے کہ آپ اپنی مجلس میں کبھی کھڑے ہو جاتے اور کبھی بیٹھ جاتے تھے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا انہوں نے فرمایا۔ ان لڑکوں (بچوں) میں ایک علوی زادہ ہے میری نظر جس وقت اس پر پڑتی ہے تو تعظیماً کھڑا ہو جاتا ہوں سہ۔  
آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی تحریر فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا مراد شیخ کے علاوہ کوئی ارادہ نہ ہو اور وہ تمام ارادوں سے خالی ہو اور جب کوئی مرید بیعت کو فسخ کر دے توڑ دے اور کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے تو اس نے اللہ کا عہد توڑ دیا سہ۔

۸ مقامات عالیہ ۴۰۵ سہ ایضاً ۶۹ سہ ایضاً ۱۴۴ سہ ایضاً ۱۰۳ سہ ایضاً ۸۰۸ سہ



آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اگر مرید شیخ میں کوئی عیب دیکھے اور اس سے اس کے عقیدہ میں خلل پڑے اور پھر وہ شیخ کے روبرو جائے تو وہ منافق ہے۔ مرید کو چاہئے کہ وہ شیخ میں ہوا کمال کے کچھ نہ دیکھے۔

آپ نے فرمایا۔ مرید کی چشم نقص کو رہے (یعنی تنقیدی نظر اندھی رہے) تاکہ وہ پیر کے کمال کے ہوا کچھ اور مشاہدہ ہی نہ کرے۔

آپ نے فرمایا۔ مرید کی توجہ پیر کی دونوں ابروؤں کے درمیان رہنا چاہئے اور وہ پیر کو اپنے تمام احوال و اوقات میں حاضر و ناظر و مطلع جانے تاکہ پیر کی عظمت و بزرگی اس میں تصرف کر کے جو چیز اس کی طبیعت کے مطابق نہ ہو اسے اس کے (مرید) دل سے نکال دے اور اس سلسلہ میں اس حد تک پہنچ جائے کہ پیر و مرید کا درمیانی حجاب اٹھ جائے اور پیر کے تمام مرادات و مقاصد بلکہ اس کے احوال و مواجید مرید کے معائن و مشاہدہ ہو جائیں۔ ع ایں کار دولت است کنوں تا کر ار سد سے آپ نے فرمایا کہ ان علمائے ظاہر کی صحبت سے منعموں نے علم کو محض دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے پیر مہیز کرنا چاہئے۔

خانہ شرع خراب است کہ اباب صلح در عمارت گری گنبد دستا یہ نو داند  
آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیت الحرام مومن کا دل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عارف کا دل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حق کے سوا جو کچھ اسپر گذرے وہ حرام ہے۔  
آپ نے فرمایا کہ سید قاسم فرماتے تھے۔ خوشنویسی بھی بہترین کسب ہے۔ (قول حضرت امیر المؤمنین علیؑ)  
حَسُنُ الْخَطُّ قَدْوَةٌ

آپ نے فرمایا۔ مرتبہ نبوت کے بعد بادشاہت کا مرتبہ ہے اس سے بڑھ کر سوا نبوت کے کوئی اعلیٰ مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ دین کی امداد اور شریعت کی حفاظت جتنی عادل بادشاہوں کے ہاتھوں ہو سکتی ہے کسی عام آدمی سے ممکن نہیں ہے۔ ظالموں اور باغیوں کا دفاع بھی بادشاہ ہی کر سکتے ہیں۔ جس قدر خیرات بادشاہ ایک گھڑی میں کر سکتا ہے۔ دوسرا برسوں میں نہیں کر سکتا۔ خرابی اور نکبت اس وقت ہوتی ہے جب بادشاہت اور حکومت سعادتِ آخرت کا ذریعہ نہ ہو سکے۔

۱۹ مقامات عالیہ ۸۵۰ ۱۹ ایضاً ۲۹ شحات ۱۲۳ سے فقرات خواجہ احمد ۹۴ ۵۴ مقامات عالیہ ۹۸  
۱۹ ایضاً ۱۰۰ کے ایضاً ۵۴

آپ نے فرمایا سلطنت اور حکومت یہی ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کی پوری پابندی کی جائے حضرت عمرؓ نے اپنے صابنہ پر حد شرع جاری کی اور جسم سے روح کی مفارقت کے بعد بھی بقیہ کوڑے لگانے کا حکم دیا بلکہ

آپ نے فرمایا۔ کوئی عمل اس سے بہتر نہیں ہے کہ امرا اور بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر حاضر رہے۔ دولت و ثروت کی لالچ کے لئے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ حاجت مندوں۔ فقروں اور مظلوموں کی مدد کرے ایک مرتبہ ایک بزرگ کو راہ حق میں ایسی دشواری پیش آئی جو کسی طرح حل نہ ہوتی تھی۔ ان کو تین مرتبہ ہدایت ہوئی کہ فلاں شاہی چوہدار کے پاس جاؤ تاکہ تمہاری مشکل حل ہو انھیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اس چوہدار سے باطنی امور میں مدد مل سکے گی۔ متواتر اہام اور حکم حق ملنے پر مجبوراً یہ خیال کر کے چوہدار کے پاس گئے کہ غالباً خداوند تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت ہے۔ جب مشکل حل ہو گئی تو چوہدار سے پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ تم کو یہ دولت باطنی عطا ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ میں روزانہ صبح کو اٹھ کر بادشاہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوتا ہوں اور دن بھر اسی کوشش میں رہتا ہوں کہ میری کوشش سے مظالم اور خلاف شرع امور نہ ہونے پائیں۔ جس روز کامیاب ہو جاتا ہوں خدا کا شکر کرتا ہوں اور ناکامی کی حالت میں صبر اختیار کرتا ہوں جس کے انجام میں مجھ کو ایسا مرتبہ اور ایسی دولت نصیب ہوئی کہ تم جیسے لاکھوں ولی میرے پاس آتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ عادل بادشاہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اقتدار کے مظہر ہیں۔ ان کو چاہئے کہ اقدار و حکومت میں مستقل رہیں تاکہ صحیح معنوں میں مظہر حق ہو سکیں۔ سلطنت میں شرکت غیب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ صحبت کے فوائد بہت ہیں لہذا تنہا سے فائدہ کے لئے صحبت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

(صحبت مرداں اگر یک ساعت است بہتر از صد خلوت و صد طاعت است)

آپ نے فرمایا۔ بہت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے

خندہ کم کن کہ خندہ بسیار صد دل زندہ را بمیراند

آپ نے فرمایا۔ ایک بار حضرت شیخ سعد الدین اور شیخ علی لالا کے مابین کچھ اختلاف ہو گیا۔ جب ان

کے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کو یہ معلوم ہوا تو دونوں کو خطوط لکھے۔ شیخ علی لالا کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم شیخ سعد الدین کے علوم و معارف سے ناواقف ہو وہ محبت و اخلاص کے مقام پر ہیں۔ اور شیخ سعد الدین کو یہ تحریر فرمایا کہ تم شیخ علی لالا کے مقام و حال سے واقف نہیں ہو جو اپنے دل میں ان کے متعلق یہ خیالات قائم کئے ہو۔ پھر آپ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "حال کے لحاظ سے تو شیخ علی لالا خوب تھے اور علوم و معارف کے لحاظ سے شیخ سعد الدین۔"

بعض اوقات آپ شیخ سعد الدین کی یہ رباعی پڑھا کرتے تھے

آنم کہ جہاں چو حقد در مشیت من است      این قوت حق کہ قوت پست من است  
کوئین و مکان و ہر چہ در عالم ہست      در قبضہ قدرت دوانگیشت من است

(میں ہوں کہ سارا عالم حقد کی (نئے کی) طرح میری مٹھی میں ہے یہ قوت جو مجھ میں ہے دراصل حق کی ہی قوت ہے۔ کوئین میں جو کچھ ہے وہ میری صرف دوانگیوں کے قبضہ قدرت میں ہے۔)

آپ نے ایک بار یہ شعر پڑھا

تبیخ حلم از تیغ آہن تیز تر      بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

(حلم کی تلوار فولاد کی تلوار سے بھی زائد تیز بلکہ صد ہا فتح مند لشکروں سے بھی بڑھ کر ہے)

آپ نے فرمایا۔ میں نے ایک شب خواب دیکھا کہ ایک بڑے چوراہے پر بیٹھا ہوں۔ اچانک حضرت شیخ زین الدین خوانی کو دیکھا کہ وہ بھی اسی شرک پر ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "السَّمَاعُ أَهْلٌ لِأَهْلِ اللَّهِ" (سماع اہل اللہ کے لائق ہے) پھر مجھ سے کہا "آؤ تم کو اپنے گاؤں لے چلوں۔" لیکن میرا وہاں جانے کا دل نہ چاہا۔ اسی اثناء میں یہ دیکھا کہ حضرت سید قاسم ایک سفید گھوڑے پر سوار اسی شرک سے آرہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ "یہ شرک شہر کو جاتی ہے آؤ میں تمہیں اپنے ساتھ شہر لے چلوں۔ یہ فرما کر مجھے اپنی پشت پر بٹھالیا۔"

آپ نے فرمایا۔ جو شخص دم نقد ہماری صحت و ہم نشینی سے مستفیض ہونا چاہے وہ قابل

مبارکباد ہے اور اگر کوئی اس کا منتظر ہے کہ میری وجہ سے اس کو فائدہ و نفع ہوگا تو وہ فضول اپنے اوقات  
برباد کرتا ہے.....

آپ نے حدیث شریف التَّكْبَرُ مَعَ التَّكْبَرِ صِدْقَةٌ (مغرور کے ساتھ غرور کرنا صدقہ ہے) کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ تکبر کی دو قسمیں ہیں مذموم اور محمود۔ مذموم یہ ہے کہ تمام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور افضل اور ان سب کو حقیر سمجھے۔ اور محمود یہ ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی جو کچھ غیر حق ہو وہ اس کی نظر میں حقیر اور بے وقعت ہو اور اس کا علاقہ التفات اس سب سے (یعنی غیر اللہ) منقطع ہو جائے۔ یہی اصل تکبر ہے اور مرتبہ فنا پر پہنچا دینے والا ہے اور یہ محمود ہے۔

آپ نے فرمایا شب معراج کی حدیث میں جو یہ ہے کہ جب حضرت جنزبیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے رُک گئے اور یہ کہا کہ لَوْ دَوْتُ أَنْعَمَةً لِأَحْتَوَتْ. (اگر میں ایک پوربھر بھی قریب ہو جاؤں تو جل جاؤں گا) اگر ایک سر جوئے برتر پریم۔ فروغ تجلی بسوزد پریم) محققین نے اس کے معنی میں یہ کہا ہے کہ اگر میں ایک انگل بھر بھی اپنے مقام سے جس سے مراد شہود ذات مع الصفات ہے آگے بڑھوں تو یقیناً جل جاؤں گا۔ میں نہ رہوں گا بلکہ دوسری چیز ہو جاؤں گا۔ یعنی صفت جل جائے گی اور ذات باقی رہ جائے گی۔

آپ نے فرمایا جوانی اور فرصت بڑی غنیمت ہیں۔ یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ انفاس اوقات عزیز سعادت سرمدی کا ذریعہ نہ ہوں۔ فقیری اور درویشی دراصل ذکر کرنا نہیں ہے۔ بلکہ درویشی یہ ہے کہ اپنے کو اخلاق نبوی کے ساتھ یعنی حلم و کرم۔ سخاوت۔ تواضع۔ ایشائیز تمام اوصاف کے ساتھ متعلق کر لے۔ اور اس بات کی خاص طور پر کوشش کرے کہ دل کو دنیاوی امور سے کوئی کسی چیز کے ساتھ التفات نہ رہے۔ مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا کہ دل کی ماسوات سے حفاظت کرے کیونکہ دل کی مثال آئینہ کی ہے۔ جو چیز بھی آئینہ کے مقابل ہوگی اسی صورت سے متصف ہو جائے گی۔ جب صورتیں اور نقوش کائنات دل سے محو ہو گئے تو دل میں ایک حقیقت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ موجودہ بزرگ لوگ بھی بہت غنیمت ہیں اگرچہ بزرگان ماضی کی طرح نہ ہوں۔

۱۵

اکابر نے فرمایا ہے کہ ”گربہ زندہ بہ از شیر مردہ“ (زندہ بلی مردہ شیر سے بہتر ہے)

آپ نے الْحَمْدُ لِلَّهِ تَمَاتِ الْعَالَمِينَ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ حمد کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا۔ ابتداء یہ ہے کہ جو نعمت وہ بندہ کو عطا فرماتا ہے تو بندہ اس لئے اس کی حمد کرتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ حمد نعمت کو زیادہ کرتی ہے۔ (لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّكُمْ لَعُنَاقُكُمْ ۗ وَسَاءَ لِمَنْ كَانَ كَاذِبًا) (سورہ سبأ - رکوہ ۴-۲۰ پارہ ۲۲)

زائد دوں گا) اور انتہا یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک قوت عطا فرمائی جس سے وہ حق عبودیت کے ساتھ قیام کرتا ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسی نعمت کے حاصل ہونے پر جس کی وجہ سے اسے قرب اور رضائے حق کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے حمد کرتا ہے بلکہ حمد کی نہایت یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ حمد کرنے والا اسی کا مظہر ہے غیر نہیں ہے (اور) بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کر لے کہ وہ معدوم ہے نہ اس کی کوئی ذات ہے نہ صفت اور نہ فعل۔ (یعنی اپنے کو معدوم محض سمجھ لے) وہ اس تفکر میں اپنے کو مسرور کرتا ہے کہ اس نے (حق نے) اس کو (بندہ کو) اپنی صفات کا مظہر بنا دیا ہے ۱۵

آپ نے وَقِيلَ لَهُمْ يَا أُولِي الْأَبْصَارِ كَلِمَاتٍ يَنْصُرُ الَّذِينَ هُمْ يُحِبُّونَ وَيَكْفُرُ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ لَا يَشْعُرُونَ (سورہ سبأ - رکوہ ۴-۲۰ پارہ ۲۲) کے سلسلہ میں فرمایا کہ تسکورد در حقیقت وہ ہے جو نعمت میں منعم کا مشاہدہ کرے اور حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر نعمت سے لذت یاب ہو تو شکر کے منافی نہیں ہے (یہ بھی شکر کا ایک حصہ ہے) اور یہ بھی وصول الی اللہ کا سبب ہے ۱۵

آپ نے فَأَعْرَضَ عَنْ مِثْلِهَا وَيَنْصُرُ الَّذِينَ هُمْ يُحِبُّونَ وَيَكْفُرُ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ لَا يَشْعُرُونَ (سورہ سبأ - رکوہ ۴-۲۰ پارہ ۲۲) کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس آیت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہری معنی تو یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ اعراض کرو اس گروہ سے جو منکرین اور عافیلین ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو مرتبہ فنا پر فائز ہو کر شہود میں مستغرق ہے اور ذکر کی صفت ان سے اٹھالی گئی ہے۔ اگر بالفرض ان کو (اعراض کرنے والوں کو) ذکر سے مکلف بھی کیا جائے تو ذکر ان کے مرتبہ شہود میں ایک حجاب ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مامور ہوئے کہ آپ اس گروہ سے اعراض کریں جو ذکر سے اعراض

کر کے شہود میں مستغرق ہو گیا ہے۔ اور اعراض سے مطلب یہ ہے کہ ان کو ذکر کے لئے مکلف نہ فرمائیں  
 آپ نے قُلْ لِلّٰهِ تَمَّ ذُرِّيَّتُمْ (تم ان سے) کہو۔ پھر ان کو جھک مارنے دو) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ  
 اس سے مراد یہ ہے کہ ذات کی طرف متوجہ رہے نہ صفات کی طرف

آپ نے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (ان میں سے بعض اپنی  
 جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض مینانہ رو ہیں اور بعض نیکوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا  
 کہ جو سکتا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ سے اشارہ اس گروہ کی طرف ہو جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا یعنی  
 جو کچھ اس کی (نفس کی) مراد ہے لذات و شہوات سے اس کو محروم کر دیا ہے اور تمام احوال میں اس  
 کی (نفس) مخالفت کو لازم رکھا ہے۔ تاکہ وہ (نفس) موہبت الہی کی قبولیت کے لئے مستعد ہو  
 جائے۔ اور مقتصدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس تحقیق پر نظر رکھیں تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب  
 ہوں اور سابق بالخیرات ہو جائیں

آپ نے مَوَاعٍ عَلَيْهِمْ اَنْذَرْتُمْهُمْ لَمْ يَلْمُوكُمْ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْنَ (کیساں ہے ان کے حق میں کہ تم ان کو  
 (عذاب الہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ (سورہ بقرہ پارہ الم۔ رکوع ۱) کی آیت کے سلسلہ میں  
 فرمایا کہ شاید اس سے اشارہ نبی آدم کے اس گروہ کی طرف ہے جو اسم مہمین کے قلب پر واقع ہوا ہے کہ  
 وہ ملائکہ میں سے ایک گروہ ہے جن کو شہود ذاتی میں غایت استخراق کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی کوئی  
 خبر نہیں ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ذات حق کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ جب ان کو کسی چیز کی خبر  
 نہیں ہوتی تو ضرورتاً کسی چیز پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔ لامحالہ لایمونون ان بزرگواروں کا وصف ہوا  
 آپ نے لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج حکومت کس کی ہے۔ صرف اللہ کی جو بڑا زبردست  
 ہے۔ سورہ مومن۔ رکوع ۱۔ پارہ ۲۴) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے ملک سے مراد سالک دل  
 ہو یعنی جب اللہ تعالیٰ قہر حدیث سے کسی دل پر بجلی فرماتا ہے تو اس دل میں اپنے غیر و غیریت کا کوئی  
 نشان و اثر نہیں چھوڑتا۔ پھر اس دل میں لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ کی صدا داخل فرماتا ہے اور جب اس میں  
 اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو خود ہی جواب دیتا ہے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، سُبْحٰنِ مَا عَنَّا سُبْحٰنِ  
 اِنَّا الْحَقُّ اَوْ هَلْ فِي الدّٰرِ اٰیٰتٍ غَيْرِیْ وَغَیْرَ وَغَیْرَ کی صدا بھی اسی مقام سے ہے۔

۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰

آپ نے یا ایہا الناس انتم الفقراء ای اللہ دے لوگو! تم اللہ ہی کے محتاج ہو (سورہ فاطر کو ۷۳) (۲۲)  
 کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ تمام آدمی حق کے محتاج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے ذریعہ  
 پہلے ہی سے یہ جانتا تھا کہ آدمی بہ تقاضائے بشریت روٹی، پانی اور اسباب دنیوی کا محتاج ہوگا۔  
 لہذا جمال قیومیت کو اشیا کے مظاہر سے ظاہر فرمایا تاکہ آدمی حیرت کا بھی محتاج ہو حقیقتاً حق کی  
 قیومیت کی وجہ سے حق کا ہی محتاج ہو لے

• ایک روز دوران گفتگو بعض حاضرین کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ فضول گھوما  
 کرتے ہو کوئی کام ایسا کرو کہ کوئی تم سے مستفید ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے اپنے کو کم کرنے  
 کی کوشش کرو۔ کیونکہ احديث کا شہود کثرت میں حاصل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے انا اعطیناک الکوثر  
 کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم نے تم کو کوثر عطا کی یعنی کثرت میں احديث کا شہود عطا کیا ہے  
 آپ نے القناعۃ کثر لا یفتی (قناعت وہ خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا) کی حدیث کے معنی اس  
 طرح بیان فرمائے کہ ہمارے نزدیک قناعت یہ ہے کہ جب کسی کو جو کئی کچی روٹی ملے تو وہ پکی روٹی  
 کی تمنا نہ کرے اور اس کو بھی اتنا ہی کھائے کہ تمنا میں ہاتھ پیر بلا سکے۔ اور فرمایا کہ اس طرح  
 رہنا چاہئے جو کھانا پینا ہمیشہ میسر رہے۔ اور قناعت اس چیز پر کرنا چاہئے جس سے بہتر ممکن  
 نہ ہو۔ پھر اپنا دست مبارک پھیلا کر ارشاد فرمایا کہ بھوکے کیلئے مٹھی بھر چاول یا آٹا کافی ہے  
 جس نے ایسا کیا وہ آسودہ ہوا۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ پھنس جائے جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی  
 آبادی اور کھانے کی امید بھی نہ ہو ایسے وقت بھی اس کو کھانے کا خیال نہ آئے اور نہ اس کا  
 دل پریشان و متفکر ہو۔ حقیقتاً ایسے شخص کو ضرورتاً قانع کہا جاسکتا ہے

آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ حقیقۃ الذکر عیاناً  
 عن تجلیۃ سبباً نہ لدا ایۃ بدایۃ فی عین العبد من حیث اسم المتکلم (حقیقت ذکر سے مطب  
 اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے اپنی ذات کے لئے اپنی ذات کے ساتھ بندہ کی عینیت میں اسم متکلم کی  
 حیثیت سے) اور فرمایا کہ یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک طالب عرضہ دراز

تک ذکر کر کے دوام آگاہی حاصل نہ کر لے۔ بعد ازاں اگر فنائیت میں مستغرق ہو جائے اور اس نسبت کو اپنے سے سلب کر لے تو وہ اللہ کی جانب سے عنایت ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ہے

یک حملہ مستانہ مردانہ بگردیم از علم گذشتیم وہ معلوم رسیدیم  
جب ہم نے ایک مستانہ حملہ مردانہ دار کیا تو علم سے گذر کر معلوم تک پہنچ گئے۔ (یعنی بقا بعد الفنا حاصل ہو گئی)

آپ نے فرمایا کہ اکابر طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ ہر برائی اور گالی گلوچ جو کوئی تم کو دے تمہیں اس کی حقیقت جان لینا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر تم کو سورا اور کتا وغیرہ بھی کہیں تو تم اس کا یقین کر لو کہ تم میں ان صفات میں سے کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ کیونکہ آدمی ایک نسخہ جامعہ ہے اس میں جس طرح صفات ملکی ہیں اسی طرح صفات سبعی و بہیمی بھی ہیں۔ اکابر میں سے ایک صاحب الطائفہ حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت شبلی آئے۔ ان بزرگ نے حضرت جنید کے سامنے ان کی بہت تعریف کی۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ تمام تعریف تم نے اس سورا کی گئی وہ بزرگ اس بات سے نہایت شرمندہ ہوئے کہ محض ان کی تعریف کی وجہ سے شبلی سورا بنا دئے گئے۔ لیکن حضرت شبلی کے ظاہر و باطن پر اس بات سے کسی قسم کی کراہت کا اثر نہ پیدا ہوا اور انہیں کوئی خیال آیا۔

آپ نے فرمایا کہ شیخ ابو یزید قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تیس سال تک میں نے حق سے کہا اور سنا اور خلق یہ سمجھتی رہی کہ میں ان سے کہتا اور سنتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ظاہر ہے وہ منظر سے ہے نہ کہ منظر سے۔

آپ نے فرمایا کہ (ایک بار) شیخ ابو یزید قدس سرہ راستہ سے گذر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بھیکا کتا سامنے آیا انہوں نے اپنا دامن اس سے سمیٹ لیا۔ کتے نے بہ زبان فصیح ان سے کہا کہ اگر تمہارا دامن مجھ پر پڑ جاتا تو پانی سے پاک ہو جاتا لیکن یہ دامن جو تم نے مجھ سے سمیٹا اور اپنے کو مجھ سے زائد پاک دیکھا تو وہ کون سے پانی سے پاک ہو گا۔



ایک شخص موفّر کے دل میں حضرت کی مقدم خدمت میں یہ آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ میرے باطن میں تصرف فرماتے۔ حضرت اس کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا کہ کمال تصرف تو اس وقت ہوگا جب میں "تو ہو جاؤں یا تو میں" ہو جائے۔ پھر پیر بریٰ قدس سرہ کا یہ ارشاد زبان مبارک سے دہرایا "عبداللہ مردے بود بیابانی۔ رفت بہ طلب آب زندگانی۔ ناگاہ فرار سید بہ خرقانی۔ آنجا یافت چشمہ آب زندگانی۔ چنڈاں خورد کردہ سے ماندونہ خرقانی" (عبداللہ ایک جنگلی آدمی تھا۔ آپ حیات کی تلاش میں نکلا۔ اچانک خرقانی کی خدمت میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے آب حیات کا چشمہ دیکھا اس کو اتنا پیسا کہ نہ وہ خود باقی رہا اور نہ خرقانی۔ (یعنی تمام حجابات اٹھ گئے اور عاشق ہر تن معشوق ہو کر زبان حال سے یہ کہنے لگا کہ

اتحادیست میان من و تو۔ من و تو نیست میان من و تو۔)

آپ نے فرمایا کہ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ ترقی بعد الموت بھی ہوا کرتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی بات اسی بات کی تصدیق کرتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بجلیات میں سے ایک تجلی میں شیخ ابوالحسن نوری کے ساتھ اکٹھا ہوا۔ انہوں نے مجھے بوسہ دیا اور مجھ سے میراب (فیضیاب) ہوتے میں نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ توحید کا تشنہ غیر سے میراب نہیں ہوتا (حالانکہ تم مجھ سے میراب پوتے وہ میری اس بات سے شرمندہ ہوئے میں نے کہا جب ذوق اوپر سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسفل (نیچے) سے نہیں لیتا۔ اس کے علاوہ محققین کی بہت سی باتیں ہیں جو ترقی بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔ راقم حروف کہتا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات میں بعض مقامات پر فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ترقی بعد الموت کی نفی کی ہے ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن نوری بھی ہیں۔ ان کا حال موت کے بعد دو باتوں سے باہر نہیں ہے (ان باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے) یا انہوں نے علم الیقین کے ذریعہ جان لیا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے یا یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے اگر یہ جان لیا کہ واقع ہے تو مدعا ثابت ہے۔ (یعنی ترقی بعد الموت ہے جو مصنف کا مسلک ہے) اور اگر یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے تو یہ

دوسرا علم ہے جو موت کے بعد ان کو حاصل ہوا ہے پس بہر حال ترقی بعد الموت واقع ہے۔ یعنی یہ بات بھی ان کو موت کے بعد معلوم ہوئی۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے (یعنی آپ نے فرمایا شادی انبیاء و اولیاء کے لئے مناسب ہے کیونکہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں رہتے۔ اور عوام الناس کے لئے بھی یہ لائق ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مرتبہ حیوانیت کی تکمیل کریں۔ لیکن جو متوسط لوگ ہیں اور طریقت کی آرزو رکھتے ہیں ان کے لئے بالکل غیر مناسب ہے۔ ایک سانس بھی جو ذکر الہی کے ساتھ اندر سے نکلے ہزار ہزار ندوں سے بہتر ہے کیونکہ اس میں ہزاروں فائدے ہیں اور اس میں ہزاروں نقصان ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر بالفرض میری عمر پانچ سو سال کی ہو اور اس سب کو میں استغفار میں صرف کر دوں تب بھی اس گناہ کا نثارک نہیں ہو سکتا جو مجھ سے صادر ہوا اور وہ شادی کا گناہ ہے اگر ان باتوں سے (جو حضرت اقدس سے منقول ہیں) کسی کو خلش پیدا ہو کہ شادی تو ایک پسندیدہ سنت ہے اور اس کی تعریف میں آیات قرآنی ظاہر اور احادیث صحیحہ ثابت ہیں پس ان کی نفی جائز نہیں ہے۔ اس خلش کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ نفی برسبیل اطلاق نہیں ہے (یعنی بالکل نفی نہیں ہے بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ہے) بلکہ یہ چیز بعض ان لوگوں کے لئے ہے جو ظاہر و باطن دونوں کی تجرید چاہتے ہیں (وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) مخفی نہ رہے کہ ہر زمانہ میں حکمت الہی کے مطابق جو کچھ طالبین اور مریدین کے مناسب حال اور کام کی مصلحت کے مطابق ہے وہ اولیاء اللہ اور اہل ارشاد کی زبان پر جو واثقان علوم خاصہ محمدیہ میں جاری ہوتا ہے جو کہ اس زمانہ میں مبتدیان طریقت کے مناسب حال شیوہ تجرد و فراغت لازم تھا اور حضرت اقدس حکیم الہی اور جامع حکم نامتناہی تھے لہذا تجرد کا اشارہ فرمایا اور تامل سے پرہیز کا حکم دیا ہے۔

دوسری بار قصبہ کاشان میں (جو بخارا کی جانب قرش میں ایک گاؤں ہے) فقیر کو صحبت خاص میں مخاطب فرما کر یہ اشعار پڑھے۔

تو مباحث اصلا کمال این است و بس۔ روڈ روگم شو وصال این است و بس

اے کمان و تیرا برسانتہ صید نزدیک و تو دور انداختہ

نخن اقرب گفت من جبل الوید تو فگندہ تیر فکرت رابعید

کمال دراصل یہی ہے کہ اپنے کو فنا کر دو یعنی تمہارا وجود باقی نہ رہے جاؤ اور اس میں گم ہو جاؤ کہ وصال یہی ہے۔ اے وہ جو کہ تیر و کمان تیار کئے ہوئے ہے شکار نزدیک ہے اور تم نے تیر دور

پھینک دیا ہے۔ (تمہارا شکار یعنی مقصد خود تمہارے پاس ہے تم کو دور جانے کی ضرورت نہیں)

اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زائد قریب ہیں اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تم سے

الگ ہے۔ اور تم دوسری جانب نظر میں اٹھا رہے ہو اور دوسری جگہ اسے تلاش کر رہے ہو پھر عنایت

فرماتے ہوئے بہت سی باتیں کہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ جب تک تم اپنے حال میں ہو ہم تمہارے

حال کی طرف مشغول نہیں ہو سکتے۔ لیکن تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم

سے نہیں جانا چاہئے تھیں اور وہ تم سے جاتی رہیں اور بہت سی ایسی چیزیں جن کو جانا چاہیے

وہ اس جگہ پر قائم ہو گئی ہیں لیکن تم کو ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ پھر مثال دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ

خربوزہ جب زمین سے باہر آتا ہے اور پکنے لگتا ہے تو ہر گھڑی ایک خامی (کچا پن) اس سے

چلی جاتی ہے اور پختگی (پکا پن) اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اور اسے اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور

کوئی مس اس بات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسان اس سے یہ کہے کہ تیری بہت سی خامی

چلی گئی ہے اور بہت سی پختگی اس کی جگہ آگئی ہے تو وہ یقین نہیں کرے گا۔ لیکن جب مرتبہ پختگی پر

پہنچے گا اور اپنے میں نظر کرے گا اور اپنے کو سر سے پیر تک پکا ہوا دیکھے گا تو یہ سمجھ لے گا کہ کسان سچ

کہہ رہا ہے۔ اسی اثنائیں آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا اور آپ کی چشمہائے مبارک سے

موتی کی طرح اشک گر رہے تھے۔ غالباً یہ مخاطب کی گریہ و رقت کی نسبت تھی جو آپ پر منعکس ہو کر

ظاہر ہوئی۔

آپ فرماتے تھے کہ مرید کی نسبت جب تک قوی نہ ہو جائے اور اسے مقام تمکین حاصل نہ

ہو جائے شیخ کو اسکی خاطر مدارات غمخواری و دلجوئی اور جانب داری کرنا چاہیے۔ اور مواخذہ نہ کرنا چاہیے۔ اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو اخلاق کے خلاف ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ لیکن جب اس کی نسبت قوی ہوگئی اور اس کو اس راستہ کا یقین حاصل ہو گیا تب اس کی ذمہ داری مرید پر ہے اس کو چاہیے کہ ہر سانس میں اپنے احوال کا محافظ رہے تاکہ اس سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو کسی دل کی گرانی اور کراہت کا سبب ہو اور اگر اس سے کوئی

ایسی بات صادر ہو جائے تو شیخ اس پر مواخذہ کرے اور سزا دے ۱۵

آپ فرماتے تھے کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ تو دراصل وہ ہے جو مرید کو کھا سکے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو مرتبہ شیخی پر نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کو کھانے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کو ایسا ہونا چاہیے جو مرید کے باطن میں تصرف کر سکے اور اس کے اخلاق ذمیرہ کو اخلاق حمیدہ میں تبدیل کر کے حضور و آگاہی کے مقام پر پہنچا سکے ۱۶

ایک بار حضرت اقدس نے ایک فقیر کو رابطہ کے طریقہ کی تعلیم دی یعنی شیخ سے کیسے رابطہ

قائم کیا جائے) اور یہ شعر پڑھا ۱۷

جائے کن دور اندرون ہا خویش را دور کن ادراک غیر اندیش را

پھر فرمایا کہ اس غیر اندیش ادراک کو دور کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لو (یعنی لغو اور لا یعنی خیالات کو دور کرو اور جو بات سوچنے کے لائق نہیں ہے اُسے مت سوچو۔ یعنی پورے طور پر اس بات کا خاص خیال رکھو کہ لوگوں کے دلوں میں جس سے مطلب مشارحہ طریقت ہیں جگہ کر لو جیسا کہ خواجگان قدس اللہ ارواہم کا طریقہ ہے کہ ہر سانس کی پاسبانی کرنا چاہئے تاکہ کوئی ایسی بات واقع نہ ہو جو پیر کے دل کی کراہت کا سبب ہو اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کی ساری مراد پیر کی مراد اور پیر کی مراد اس کی مراد ہو جائے اور اس پاسبانی کے سبب وہ ایسی سعادت سے مشرف ہو جائے جس سے زائد متصور نہیں اور وہ فنا فی اللہ ہے ۱۸

آپ فرماتے تھے کہ ذکرِ عیشہ (پھاوڑے) کی طرح ہے جس سے دل کے کانٹے (خطرات)

دور ہوتے ہیں ۱۹

آپ فرماتے تھے کہ اصل چیز یہ ہے کہ ذکر میں اس حد تک استغراق ہو جائے کہ اسے نہ بہشت کا ذوق رہے اور نہ دوزخ کا خوف۔ اور اس کے لئے خواب و بیداری یکساں ہو شیطان کی کیا مجال کہ ان لوگوں کے قریب پھٹک سکے۔

آپ فرماتے تھے کہ معراج دو قسم کی ہے۔ ایک معراج صوری۔ دوسری معراج معنوی۔ معراج معنوی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول صفات ذمیرہ سے صفات حمیدہ کی طرف منتقل ہونا۔ اور دوم ماسوا سے

اللہ کی جانب منتقل ہونا۔

آپ فرماتے تھے کہ سیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک سیر مستطیل دوسری سیر مستدیر۔ سیر مستطیل بعد دو بعد ہے اور سیر مستدیر قرب در قرب۔ سیر مستطیل مقصود کو اپنے خارج دائرہ سے طلب کرنا ہے اور سیر مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو خود سے ڈھونڈنا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ علم دو ہیں۔ علم وراثت اور علم لدنی۔ علم وراثت یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ عَمِلَ بِمَا عِلْمُهُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ عِلْمٌ مَالِكٌ يَعْلَمُ، (جس نے عمل کیا اس بات پر جس کو اس نے جانا تو اللہ اس کو اس چیز کا وارث کر دے گا جس کو وہ نہیں جانتا) اور علم لدنی یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت بے غلت سے بندہ کو کسی علم خاص سے مشرف فرمادے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَعَلَّمَنَا هُوَ مِن لَدُنَّا عِلْمًا (ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم عطا کیا۔ اور فرمایا کہ اجر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجر ممنون دوسرا اجر غیر ممنون اجر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ محض بخشش ہو۔ اور اجر غیر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو۔

آپ فرماتے تھے۔ وہ نہایت جہاں اولیا اللہ پہنچتے ہیں یہ ہے کہ شاہدہ ان سے غائب نہ ہو۔ (یعنی وہ ہمیشہ تجلیات الہی کا شاہدہ کرتے رہیں) یا یہ کہ شاہدہ حقیقی میں استغراق کی وجہ سے مشاہدہ ان سے غائب ہو جائے۔

آپ فرماتے تھے کہ شہود کے دو معنی ہیں۔ ایک ذات مقدس کا شہود جو لباس مظاہر میں غیر

سے معزا (خالی) ہے اور دوسرا شہود یہ ہے کہ اس ذات مقدس کا پردہ مظاہر سے مشابہہ کرتے بغیر  
وصف کلی اور یگانگی کے۔ اور اس شہود کو حضرات صوفیاء قدس اللہ ارحمہم شہود اہدیت در کثرت  
کہتے ہیں اور حضور بعثت کے بعد اسی شہود میں تھے۔

ایک روز اعزہ میں سے ایک شخص نے حضرت کی مجلس میں عرض کیا کہ اکابر صوفیہ نے تو یہ  
کہا ہے کہ کوئی وجود و جوہر اور ہستی مطلق کے سوا نہیں ہے اور پردہ مظاہر سے ایک ہی ظاہر  
ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر کفر و اسلام کے کیا معنی ہیں؟

یعنی جب صرف ایک وجود واحد ہی ہے تو پھر کفر و اسلام کے مابین تنازعہ و اختلاف کیوں ہے۔ آپ  
نے ان کے جواب میں منہوی شریف کے یہ دو شعر پڑھے۔

چوں کہ بے رنگی اسیر رنگ شد موسیٰ باموسیٰ در جنگ شد

یوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی موسیٰ و فرعون دارند آشتی

(جب بیرنگی رنگ کی اسیر ہوئی تو موسیٰ نے موسیٰ سے جنگ کی یعنی جب ذات الہی رنگ کی اسیر ہوئی  
تو حضرت موسیٰ اور ذات الہی دونوں میں کلام ہوا۔ اور وہ دوستی ثابت ہوئی۔ جب تم بیرنگی کے  
مقام پر پہنچ جاؤ گے تو تمہارا وجود فنا ہو جائے گا اور صرف ذات واحد باقی رہ جائے گی اور تم  
کو موسیٰ و فرعون ایک نظر آئیں گے)

ایک روز آپ نے ترک ہستی اور خود پرستی کے سلسلے میں یہ مصرعہ پڑھا۔ ایک قدم برفرق خود  
نواں دگر در کوئے دوست (ایک قدم اپنے سر پر رکھو اور دوست کے کوچہ میں۔)

اس بارہ میں کہ بعد صوری اہل رابطہ کے لئے قرب معنوی کے مانع نہیں ہے یہ شعر پڑھا۔  
گماں مبرک کہ بر فیم و مہرت از دل رفت بہ خاک پائے عزیزت کہ پچناں باقی است

(یہ خیال مت کرو کہ ہم چلے گئے اور تمہاری محبت بھی دل سے جاتی رہی۔ تمہارے خاک پاکی قسم  
محبت اب بھی اسی طرح باقی ہے) اس بارہ میں کہ اہل ظاہر حقیقت عشق سے بے خبر ہیں یہ شعر پڑھا۔

عشق را بو حنیفہ درس نگفت شافعی را در روایت نیست

(ابو حنیفہ نے عشق کا سبق ہی نہ پڑھا۔ شافعی کی عشق کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے)

طالبین کے ضعف ارادت کے سلسلہ میں یہ شعر پڑھا ہے

نگوار بابِ دل رفتند و شہرِ عشق شد خالی جہاں پر شمس تبریز است کو مردے چو مولنا  
(یہ مت کہو کہ دل والے چلے گئے اور شہرِ عشق خالی ہو گیا۔ دنیا اب بھی شمس تبریز سے بھری ہوئی ہے مولنا روم کا ایسا مرد کہاں ہے)

آپ فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سارا کمال انا الحق کہنے میں ہے۔ کمال تو دراصل

یہ ہے کہ انا کو سامنے سے اٹھاوے اور کبھی اسے یاد نہ کرے۔  
فقہ۔ اگر تم سے پوچھا جائے کہ توحید کیا ہے تو کہو کہ دل کا خالص کر دینا اور اس کا غیر حق کی ہی سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وحدت کیا ہے تو کہو کہ دل کا غیر حق کے وجود کے علم سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ اتحاد کیا ہے تو کہو کہ ہستی حق میں مستغرق ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ سعادت کیا ہے تو کہو کہ دید حق کی وجہ سے اپنے سے چھٹکارا پانا۔ اگر پوچھا جائے شقاوت کیا ہے تو کہو کہ اپنے میں پڑ جانا اور حق سے باز رہنا (یعنی خودی میں پڑ جانا اور خدا سے دور ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وصل کیا ہے تو کہو کہ اپنے کو وجود حق کے نور کے شہود میں فراموش کر دینا۔ اگر پوچھا جائے فصل کیا ہے تو کہو کہ سہر کا غیر حق سے جدا کر دینا۔ اگر پوچھا جائے کہ سکھ کیا ہے تو کہو کہ ایسے حال کا دل پر وارد ہونا کہ دل اس چیز کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جس کا چھپانا اس حال کے ظہور سے پہلے واجب ہے۔

فقہ۔ الحمد للہ ما ب العلمین سبحان اللہ ما ب العرش العظیم اللہم صل علی محمد البنی الامی  
و علی آلہ وسلم اے خدا اس قدر عزت کی قسم جو حضور پر نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرے نزدیک ہے اس عاجز فقیر کو بھی اپنے پاس سے اس یقین سے مشرف فرما تاکہ وہ اس توت یقینی سے تیرے  
غیر کے وجود کے شہود و معرفت و محبت سے آزاد ہو کر صرف تیرے وجود و شہود اور تیری معرفت و محبت  
میں گرفتار ہو جائے۔

۱۰ رشتہات ۱۳۸۸ء ایضاً ۱۳۷۶ء فقرات نوابہ عبید اللہ احرار (۶) ص ۹۵ ایضاً (۹۵)

دولت معنوی نہیں ہے کہ عرش نشین ہو جائے۔ دولت معنوی یہ ہے کہ اپنے دل کو مشاغل کو نیر سے خالی کر دے۔ قلب المؤمن عرش اللہ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) پھر اس کو ان چیزوں سے فارغ آزاد۔ اور پاک کر دے جو اس کے لائق نہیں ہے خواہ اس کو عرش پر لے جائیں خواہ فرش پر۔ وہ تو اس مقام پر ہے جہاں نہ عرش ہے نہ فرش۔ اصل چیز تصفیہ دل ہے شوائغ و موانع سے تاکہ وہ (دل) موہبت الہی (بخشش) کے قابل ہو جائے ۱۵

قلندری اپنی حقیقت کی تجرید ہے موانع سے اور ان عجابات کو دور کر دینا جو حق اور اس کے درمیان ہوں۔ اور اپنے کو اس طرح کم کر دینا کہ کتنا ہی اپنے کو تلاش کرے لیکن نہ پائے جیسا کہ حضرت شیخ ذوالنون کے ایک مرید نے ابو نرید سے پوچھا کہ ابو نرید کہاں ہیں۔ حضرت سلطان العارفين نے کہا کہ میں خود ان کو تیس سال سے ڈھونڈ رہا ہوں لیکن نہیں پا رہا ہوں اگر تم انہیں تلاش کر سکو تو تلاش کر لو ۱۶

سلطنت و بادشاہی کا کمال یہ ہے کہ اپنے تھروں سے تمام رعایا اور خواص کو اپنے ٹنگ میں ایسا رنگ لے کہ اس کی نظر جس پر بھی پڑے اپنے سو کسی کو نہ دیکھے اور رعایا کا کمال یہ ہے کہ خود سے خود میں پورے طور پر خالی ہو جائے۔ اور اپنے بادشاہ کے سو انہ کسی کو دیکھے اور نہ جانے۔ بلکہ نہ دیکھنے اور نہ جاننے سے بھی خالی ہو جائے اِذَا تَمَّ فَقَرُّهُمْ فَلَا هُمْ إِلَّا آفَاةٌ  
اپنے باطن میں خواجگان کی نسبت باطنی کی نگہداشت اور شریعت و آداب شریعت پر نگاہ رکھنا۔ اور قولاً۔ فعلاً۔ اختیاراً اور حالاً اعتقاد صحیح رکھنا اور محرمات سے پرہیز کرنا تمام عالم کی نعمتوں سے بہتر ہے ۱۷

۱۵ فقرات خواجہ عبدالقادر (۹۷) ۱۶ ایضاً (۹۸) ۱۷ فقرات خواجہ ابراہیم ۱۸ ایضاً ۱۱



قد استراح القلم من تسويد هذه الرسالة الشريفة والجمالة النفيسة بيد الاحقر  
 الافقر والاحوج المفقرا عنى تقي الزور غفر له العلى الاكبر بشفاعة سيد البشر الى رحمة  
 الله تعالى يوم الفرع الاكبر من توجه الخاصة الشريفة والدى واستادى شيخى  
 وسدى المولى الحافظ الشاه محمد مجتبى حيدر القلندى العلوى الكاظمى الكاوردى  
 ادام الله نطفه العالى فتوحه يوم الاحد احدى وعشرين من شهر محرم الحرام سنة الف  
 واربعمائة وست من هجرة سيد الثقلين نبى الحرمين امام القبلتين صلى الله عليه وعلى  
 آله واصحابه اجمعين والفاضل والولياؤه واتقياواتباعه الف الف صلوة وتحياته الى  
 يوم الدين. قد تحيرت فيك عندى يا دليلا لمن تحير فيك .

## مؤلف کی تیسری معرکتہ الآرا کاوش

حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شہرہ آفاق ، نادر و نایاب اور مکمل محفوظ  
 ( جس کا ایک قدیم مگر ناقص و نامکمل نسخہ خدائے بخش لاہریری پٹنہ میں موجود ہے )

” القول الجلی فی ذکر آثار الولى “ للشیخ محمد عاشق پھلتی ( مکمل )

کاسیس اردو ترجمہ معہ تشریحات و اصطلاحات . زیر طبع ہے



## ۴۔ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں دستیاب چند مطبوعات

خانقاہ کاظمیہ کاکوری برصغیر کی خانقاہوں میں ابتدا سے ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل رہی ہے۔ یہاں کے بزرگوں کی روحانی، علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہمیشہ ملک کے معاصر علما و صوفیا کو رہا ہے۔ بانی خانقاہ حضرت عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> سے موجودہ صاحب مجاہد حضرت شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر اور ان کے برادر گرامی مولانا حافظ شاہ نجفی حیدر قلندر مدظلہما تک تمام حضرات صاحب درس و تصنیف علما بھی رہے ہیں وقت کے تقاضوں کے پیش نظر بکثرت بیش بہا نگارشات بھی سپرد قلم فرمائے اور صد ہا مفید عام تصانیف اپنی یادگار چھوٹی ہیں بکثرت مصنفات ہنوز مخطوط کی شکل میں ہیں نیز نظر فرہست یہاں کے حضرات اور ان کے مسترشدین و متوسلین کی صرف ان چند مصنفات کی ہے جو ہنوز کتب خانہ انوریہ سے دستیاب

۱۔روض المآثر فی مآثر القلندر۔ فارسی۔ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر قدس سرہ

۲۔ نور لاریب فی تربیۃ فتوح الغیب۔ فارسی۔ مولانا شاہ حمایت علی قلندر قدس سرہ

۳۔ تصنیف شرح تسویہ۔ شرح فارسی حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ  
اردو ترجمہ مع اصل متن حضرت مولانا

۴۔ القول المنہار فی مسئلہ الجبر والاختیار

۵۔ ذواہر الافکار شرح جواہر الاسرار

۶۔ الدر الملتوی فی شرح تحفۃ المرسل

۷۔ تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق

۸۔ فیوض العارفین فارسی۔ حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہ

۹۔ تعلیمات قلندریہ

۱۰۔ رموز الغیب فی تربیۃ فتوح الغیب۔ اردو مع عربی مولوی محمد عالم صاحب قیصری کاکوری

۱۱۔ الکبف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمن الرحیم شرح از شاہ محمد و بلخ الدین قلندر کاکوری (دچی کلکڑا)

اردو ترجمہ مع عربی از حضرت شاہ تقی حیدر قلندر کاکوری

۱۲۔ تخریر النور فی تفسیر القلندر۔ فارسی حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ

فارسی حضرت شاہ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ  
ترجمہ اردو حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہ

۱۳. فاتح الابعاد

عربی حضرت شاہ علی انور قلندر قدس سرہ  
اردو حضرت شاہ علی حیدر قلندر

۱۴. الدر الیتیم فی بیان ایمان آباد النبی الکریم

۱۵. مسانت رس المعروفہ بنعمات الاسراء - حضرت شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرہ

شرح وارد و ترجمہ - حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ

حضرت شاہ تملب علی قلندر تملب صاحب کاکوروی قدس سرہ

۱۶. امت رس

مقدمہ شرح حضرت مولانا شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ

حضرت شاہ تملب علی قلندر قدس سرہ

اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ

۱۸. ہمارے نبی

اردو

۱۹. الکتبیت الاحمری فی تحقیق القلندر - اردو - شاہ محمد و حاج الدین قلندر (ڈپٹی کلکٹر)

۲۰. مناقب المرتضیٰ بن مولانا مصطفیٰ - اردو حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہ

۲۱. نقاس المن فی فضائل سیدنا ابی الحسن - اردو

۲۲. تسکین الفواد بذكر غیر العباد اردو حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ

۲۳. رفع الحجاب عن فضل الخطاب - اردو مولوی ایوب احمد صاحب نیرہ استاد العلماء، مولانا مفتی عطاء اللہ

۲۴. تذکرہ گلشن کرم اردو مولوی حافظ تقی انور علوی کاکوروی

۲۵. مقالات انور مسود انور علوی کاکوروی

۲۶. رشحات قیصری اردو

۲۷. ابونواس اود اردو

۲۸. انتخاب کلام خسرو کاکوروی اردو

۲۹. جلوہ پیش - اردو - مظہر عزیز صاحب (ڈپٹی کلکٹر)

۳۰. بہارستان ترات - اردو - ادیب سحر از منشی امیر احمد علوی کاکوروی (ڈپٹی کلکٹر)

۳۱. عباسیان کاکوروی - مولوی محمد حسن صاحب عباسی کاکوروی مرحوم

۳۲. تنبیہ المفترین - مولوی محمد عامر صاحب قینس کاکوروی مرحوم



## مؤلف کی تیسری معرکتہ الآراء کاوش!

حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا شہرہ آفاق نادر و نایاب اور مکمل ملفوظ (جس کا ایک قدیم مگر ناقص و نامکمل نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے)۔

”الْقَوْلُ الْجَلِيُّ فِي ذِكْرِ آثَارِ الْوَلِيِّ“ للشیخ محمد عاشق  
پھلتی (مکمل) کا سلیس اردو ترجمہ مع تشریحات و اصطلاحات زیر طبع ہے۔